جملہ حقوق محفوظ

تہذیبی سلسلہ

آہِ مظلوماں

یعنی

دو مظلوم بیبیوں کی پُراثر خاموشی کے نتائج

تصنیف

محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ سابق اڈیٹر پھول

T.T.F LIBRARY
No: 255
T.T.F LIBRARY
No: 255

سنہ ۱۹۴۰ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

بار پنجم

قیمت ۱۰/

Taj Tahir Foundation

آہِ مظلوماں

فصلِ اوّل

نگاہِ مہر ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے۔
کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب تقدیر پھرتی ہے،

مرزا عزیز الرحمٰن اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لدھیانہ کے گھر باورچی خانہ میں دو مامائیں بیٹھی باتیں کر رہی ہیں:۔

چمپا۔ خبر نہیں کیا بات ہے۔ تھوڑے دنوں سے ہماری بیگم بڑی چُپ چُپ اور اُداس سی رہتی ہیں:۔

گلاب:۔ اُداس کیسے نہ ہوں۔ کوئی پندرہ دن سے سرکار کا رنگ ہی بدلا ہوا ہے۔ پہلی سی بات ہی نہیں۔ گھر میں کسی وقت بیٹھتے ہی نہیں کھانا تک باہر منگواتے ہیں“:۔

Taj Tahir Foundation

چھپانا" آخر بات کیا ہے؟ سرکار کی تو ایسی عادت نہیں تھی۔ وہ تو کچہری کے سوا کسی وقت بھی باہر نہ جاتے تھے"۔

گلاب: "اِسی بات کا تو غم ہے۔ بیگم بے چاری اندر ہی اندر گھلی جاتی ہیں۔ ظاہراً کچھ خفگی بھی نہیں ہے۔ جب اندر آتے ہیں۔ یہی عذر کر دیتے ہیں۔ کہ "آج کل کام بہت ہے۔ یا دوست نہیں چھوڑتے"۔

اتنے میں ڈپٹی صاحب باہر سے آ گئے۔ اور یہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ بیگم صاحبہ اس وقت کوئی کتاب دیکھ رہی تھیں۔ ان کے آتے ہی کتاب رکھ دی۔ اور مرزا صاحب کو پریشان دیکھ کر کہا:۔

بیگم: "خیر ہے، آپ کچھ پریشان سے نظر آتے ہیں؟"

ڈپٹی صاحب: "ہاں خیریت ہے۔ تبدیلی کا حکم آ گیا ہے۔ یہی فکر ہے"۔

بیگم: "یہ تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ تبدیلیاں ہوا ہی کرتی ہیں۔ پہلے تو آپ کبھی ایسے پریشان نہیں ہوئے"۔

ڈپٹی صاحب: "نہیں۔ پریشان تو اب بھی نہیں"۔

بیگم "نہیں۔ آجکل تو آپ بے انتہا فکرمند معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی دو ہفتے سے میں اندازہ کر رہی ہوں۔ گویا آپ کسی گہرے سوچ میں ہیں۔ کیا خدانخواستہ کوئی پریشان کن امر موجب تبادلہ ہے؟"

ڈپٹی صاحب: "نہیں تو"۔ . .

بیگم: "خدا کے لئے آپ مجھے آگاہ کیجئے۔ دو ہفتے سے آپ کی ایسی حالت دیکھ کر میں دل ہی دل میں گھلی جاتی ہوں"۔

ڈپٹی صاحب: "کوئی بات نہیں۔ میں صرف اسی شش و پنج میں تھا۔ کہ گھر کا کیا انتظام کروں؟"

Taj Tahir Foundation

بیگم :- اس کی آپ کو کیا فکر ہوتی؟ انتظام ہمیشہ ہوا ہی کرتا ہے۔ آپ کو تو کبھی معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اب بھی اسی طرح ہو جائے گا۔ اسباب وغیرہ ساتھ کا سامان میں درست کر لوں گی۔ مال گاڑی کا اسباب نوکر درست کر لیں گے"۔

ڈپٹی :- نہیں نا۔ اس وقت ایک اور بھی دقت ہے۔ ہمیشہ تم میرے ساتھ چلا کرتی تھیں۔ مجھے کچھ فکر نہیں ہوتا تھا۔ اب کے یہ خرابی ہے۔ کہ میں تمہیں بہر دست ہمراہ نہ لے جا سکوں گا۔ کیونکہ فی الحال راولپنڈی جانا ہے۔ وہاں سے پھر کہیں ٹھیک مقام ہوگا"۔

بیگم :- تو یہ بھی کوئی مشکل نہیں۔ اگر اس وقت میرا جانا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ تو کیا ہے۔ میں چند روز یہیں رہوں گی۔ جب آپ جائے قیام پر پہنچ جائیں گے تو بلا لینا"۔

ڈپٹی :- یہاں بھی اتنا عرصہ تنہا ٹھیرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ کہ کب تک راولپنڈی ٹھیرنا ہوگا۔ میرے خیال میں تو یہ آتا ہے۔ کہ فی الحال تم وطن ہو آؤ۔ جتنا عرصہ میرے .... ٹھیک ٹھکانے میں لگے۔ تم عزیزوں سے مل لو۔ پھر میں بلا لوں گا"۔

بیگم (تامل سے) "تو آپ مجھے وطن بھیجنا چاہتے ہیں؟"

ڈپٹی :- ہاں اسی خیال سے کہ یہ بے اطمینانی کے دن تم عزیزوں میں خوشی سے گزار آؤ"۔

بیگم :- جو آپ کی مرضی۔ اس سے مجھے انکار نہیں۔ لیکن خوشی کیسی؟ آپ تو یہاں پریشانیوں میں ہوں۔ اور میں خوشیاں مناؤں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے آپ سے زیادہ اور کوئی عزیز نہیں"۔

ڈپٹی (مسکرا کے) "فکر کی بات کوئی نہیں۔ تم بالکل اطمینان سے یہ دن گزار دینا"۔

Taj Tahir Foundation

اِس صلاح کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ اور ڈپٹی صاحب کی رائے سے یہی قرار پایا۔ کہ بیگم اپنے وطن آگرے چلی جائیں۔ اور خود راولپنڈی۔ بیگم کا بھتیجا ظفر حسن انہیں آگرے سے لینے آیا۔ گو بظاہر ڈپٹی صاحب بیوی سے بہت خوش تھے۔ مگر بیگم کے دِل پر جو گزر رہی تھی۔ اُس کو کچھ وہی جانتی تھیں۔ ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا۔ کہ میاں تبدیلی پر تنہا جا رہے تھے۔ اور وہ وطن۔ ورنہ پہلے ہمیشہ ساتھ ہی جایا کرتی تھیں۔ ڈپٹی صاحب اکثر دورے پر بھی ساتھ ہی لے جایا کرتے تھے۔ اِس دفعہ نہ معلوم کیا سبب تھا جو اُنہوں نے خاص کوشش سے بیوی کو الگ کیا۔ اس بےچاری نے بہتیرا ہی چاہا۔ کہ ہمراہ نہیں لے جاتے۔ تو لُدھیانے ہی چھوڑ جائیں۔ مگر میاں نے ایک نہ سُنی۔ بیچاری بےبس بیگم نہایت رنجیدہ خاطر آگرے روانہ ہوئیں۔

فصل دوم

جس گھڑی صانعِ قدرت نے کیا غم پیدا۔
غم کو درکار تھا ہمدم سو ہوئے ہم پیدا۔

پیلی بھیت محلہ جامع مسجد کے پرلے سرے پر منشی ہدایت اللہ کے دو مکان ہیں۔ ایک تو پختہ اور بڑا ہے۔ جس میں ان کے بال بچے رہتے ہیں۔ دوسرا کچّا اور چھوٹا سا ہے۔ اس میں بیل۔ گائے۔ بھینس بندھا کرتے ہیں۔

منشی ہدایت اللہ کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑے لڑکے کے تو بیوی بچّے ہیں۔ چھوٹا لڑکا اور دونوں لڑکیاں ابھی کنواری ہیں۔

Taj Tahir Foundation

ہدایت اللہ کی بیوی آبادی بیگم کی کبھی بھی بہو سے نہ بنی + اوّل اوّل تو خود ہی بڑے چاؤ چونچلوں سے بیاہ کر لائیں۔ اب نہ معلوم کیا ہو گیا۔ کہ اُس کی جان کی دشمن ہو گئیں +

بہو تو بہو۔ پوتی پوتا بھی آنکھوں میں کھٹکنے لگے۔ اور اب یہی دل میں سمائی۔ کہ جس طرح ہو۔ عظمت اللہ (بیٹا) کی دوسری شادی کروں + بہو بے چاری ایسی غریب۔ ایسی کم سخن۔ خدمتگذار۔ تابعدار۔ کہ چراغ لے کر ڈھونڈیں۔ تو دوسری نہ ملے + آپ تینوں ماں بیٹیاں پلنگ پر بیٹھی رہتیں۔ اور سارے گھر کا کام وہی کرتی + ننھے منھے بچّوں کو بھی سنبھالتی۔ اور گائے بھینس کی سانی بھی کرتی۔ مگر افسوس اس کی خدمت گزاری کی کسی کو قدر نہ ہوئی + بات صرف یہ تھی۔ کہ آبادی بیگم اب اپنی مالدار بھانجی کو بہو بنانا چاہتی تھیں +

شام کا وقت تھا۔ بے چاری عظمت اللہ کی بیوی روٹی پکا رہی تھی۔ اور ساس دالان میں بیٹھی چھالیا کتر رہی۔ اور اپنی چچازاد بہن کریمن سے باتیں کرتی جاتی تھیں +

کریمن :- تم کچھ فیصلہ ہی نہیں کرتی ہو۔ آخر ان کی بیٹی جوان ہوئی۔ انہیں تو جلدی ہے۔ تم اگر جواب دے دو۔ تو وہ کہیں اور ہی بندوبست کریں +

آبادی :- اللہ نہ کرے جو میں جواب دوں + میں نے اندر ہی اندر سب سامان ٹھیک کر لیا ہے + بہن مشکل صرف یہ آن پڑی ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ زبیدہ کو بالکل گھر سے نکال دو۔ جب بیٹی دیں گے + اب میں اس فکر میں ہوں۔ کہ کس بہانے اِسے گھر سے نکالوں۔ اور نکالوں تو کہاں پھینکوں۔ ماں باپ اِس کے مر گئے۔ کوئی بھائی بہن بھی نہیں۔ حیران ہوں۔ کہ کیا کروں ؟

کریمن :- اے ہے۔ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ اس کو الگ ہی جو کر دو۔ کھانے کو دو۔ اور دوسرے گھر میں ڈال دو۔ تمہارا کچّا مکان خالی تو پڑا ہی ہے"۔

آبادی :- شاباش بہن۔ یہ ٹھیک کہا۔ اب یہی بندوبست کرتی ہوں۔ تم اُن سے کہہ دو۔ کہ اب انشاء اللہ بہت جلد اس بلا کو دفع کروں گی۔ وہ بیاہ کے لئے تیار رہیں"۔

کریمن :- اچھا بہن تو اب میں جاتی ہوں۔ جا کر اُنہیں اطمینان دلا دوں"۔

آبادی :- اے روٹی تو کھاتی جاؤ۔ کھانا تیار ہے۔ او زبیدہ! روٹی اور برتن یہاں رکھ جا۔ خالہ جا رہی ہیں۔ اُن کو روٹی کھلا دے"۔

زبیدہ :- اماجان ابھی توا رکھا ہے۔ دو تین چپاتیاں ہو جائیں تو لائی"۔

آبادی :- ہیں ابھی توا رکھا ہے۔ شام سے کہاں مر رہی تھی؟"

زبیدہ :- اماں جی چار بجے سے کھانے ہی میں لگی ہوئی ہوں"۔

آبادی :- چار بجے سے لگتیں۔ تو اب تک کھانا تیار نہ ہو جاتا۔ یوں کھونا لال سے چُہل ہو رہی تھی گڈ کڑے میں چڑھائے پھر رہی تھیں۔ کام کون کرتا؟"

زبیدہ :- میں نے تو گودی میں نہیں لیا۔ سیڑھیوں پر سے گر پڑا تھا۔ تو ہاں اُٹھا کر پلنگ پر ڈال آئی تھی"۔

آبادی :- چُپ نہیں ہوتی۔ آگے سے تڑاخ تڑاخ جواب دئے جاتی ہے۔ کام کرنے کو جی نہیں کرتا۔ تو خصم سے کہو۔ آرام سے بٹھا دے گا۔ میرے پاس تو کام ہی ہے"۔

یہ کڑا کا سُن کے زبیدہ تو خاموش ہو گئی۔ ساس اُٹھ کر باورچی خانے میں آئیں۔ دیکھا تو ایک روٹی چنگیر میں تھی۔ دوسری توے پر۔ آتے ہی بہو کا ہاتھ پکڑ کر اسے پرے کھڑا کر دیا۔

Taj Tahir Foundation

زبیدہ (رو کر)" اماں جی معاف کرو میں ابھی پکائے دیتی ہوں"۔
آبادی :۔"چل چل دُور ہو۔ اب تو پکا چکی اور ہیں کھا چکی۔ خدا نہ روزی کرے تجھے اس چولھے پاس بیٹھنا۔ تو ہمارے کام سے گھبرا گئی ہے۔ تو ہم بھی تجھ سے اب گھبرا گئے ہیں۔ دُور ہو جا میری نظروں سے"۔
زبیدہ (قدموں پر گر کے)" اماں جان! آج کی خطا معاف کرو۔ پھر کبھی ایسا نہ ہوگا۔ میں تمہاری نظروں سے دُور ہو کر کہاں جاؤں۔ سوائے تمہارے میرا کہاں ٹھکانا ہے؟ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو"۔
اسی جھگڑے میں خُسر بھی باہر سے آ گئے۔
ہدایت اللہ:۔"کیا ہے۔ کیا ہے۔ یہ کیوں رو رہی ہے؟"
آبادی :۔"رو رہی ہے۔ اپنے نصیبوں کو۔ چھیلمائی نے اوّل تو کام بگاڑا پھر لگی ٹسوے بہانے۔ لے جاؤ اسے کہیں الگ رکھو۔ میں اسے اب اپنے گھر میں نہیں رکھتی"۔
ہدایت اللہ:۔" آخر ہوا کیا؟"
آبادی :۔"ہوتا کیا تمہیں تو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ میرا کلیجہ اس نے پکا پھوڑا کر دیا ہے۔ اب تو وہ تڑاخ تڑاخ جواب دینے لگی ہے۔ جس کی کچھ ٹھیک ہی نہیں۔ بس میں اسے اس گھر میں نہیں رکھتی"۔
بیوی کا مطلب معلوم کر کے منشی جی نے روتی ہوئی بہو کو باورچی خانے سے اُٹھا دیا۔ وہ بدنصیب اپنی کھپریل کے در میں بیٹھ کر رونے لگی۔ عظمت اللہ بھی آ گیا۔ اماں نے بڑھا چڑھا کر بات کا بتنگڑ بنا کر سب حال سُنایا۔ اور کہا "بیٹا! اسے اب یہاں سے کسی صورت دُور کر۔ جب تک یہ بلا یہاں رہے گی۔ خالہ اپنی بیٹی نہیں دینے کی"۔ عظمت اللہ کو شروع سے اب تک

بیوی کا قدر دان تھا۔ لیکن میاں کا سمجھانا سکھانا بے اثر نہ رہا۔ اماں نے خالہ کے گھر کے مال کا لالچ دیا۔ وہ بھی دوسری شادی کے شوق میں پڑ گئے۔ بیوی سے تو یہی کہتے تھے۔ کہ ماں باپ کی مرضی سے میں مجبور ہوں۔ مگر دل میں خود بھی خوش تھے۔ اب اماں سے سارا جھگڑا سن کر بیوی کے پاس گئے۔

عظمت اللہ (رنجیدہ سا منہ بنا کر) "اماں جان نے آج بہت برا بھلا کہا۔ میں نے بہتیرا کچھ کہا۔ مگر وہ ایک نہیں مانتیں۔ یہی کہتی ہیں۔ کہ تم دونوں میرے گھر سے نکل جاؤ۔ تم جانتی ہو۔ میں بے کار ہوں۔ انہیں کا محتاج ہوں۔ اگر کھانے کو بھی نہ دیں۔ تو ہم کیا کریں؟ اٹھو اپنا اسباب اور بچے سنبھالو۔ چلو اس ساتھ والے مکان میں رہیں گے۔ اناج پانی اماں وہیں ڈلوا دیا کریں گی اس روز کی چخ چخ سے تو نجات ملے گی"۔

زبیدہ بے چاری روتی ہوئی اٹھی۔ دونوں بچوں کو ساتھ لیا۔ اور کھڑکی سے گزر دوسرے گھر میں چلی گئی۔ میاں نے پلنگ بچھونے پہنچا دیئے۔ اس گھر میں ایک لمبی کھپریل اور اس کے پیچھے ایک کوٹھری تھی۔ جس میں گائے بھینس کا بھوسہ دانہ وغیرہ رہتا تھا۔ بدنصیب زبیدہ نے کڑوے تیل کا چراغ جلا کر طاق میں رکھا۔ تھوڑی سی جگہ صاف کر کے دو پلنگ بچھائے اور بچوں کو لے کر بیٹھ رہی۔ سامنے کھپریل میں بیل بندھ رہے تھے۔ ان کی بو سے بے چاری کا دماغ پھٹا جاتا تھا۔ پر کیا کرتی؟

محمودہ (بچی) "اماں یہاں کیوں آ گئیں۔ چلو اپنے دالان میں یہ برا ہے"۔

صبغت اللہ "اماں بھوک لگی ہے"۔

زبیدہ "بیٹے میں روٹی کہاں سے لاؤں۔ ابا آئیں گے تو ان سے کہو"۔

عظمت اللہ بھی ہاتھ میں چنگیری لئے آ گئے۔ ایک مٹی کی رکابی میں شلجم اور

دس چپاتیاں آبادی بیگم نے ان سب کے لئے بھیجی تھیں۔ زبیدہ سے اس وقت کچھ نہ کھایا گیا۔ دونوں بچوں اور باوا نے روٹی کھائی۔ پھر یہ تینوں سو رہے۔ مگر زبیدہ مصیبت زدہ کو نیند کہاں؟ جاگتی اور گھڑیاں گنتی رہی۔ بھری نہ تھی۔ اپنے میاں کی شادی کی تجویزیں سُن رہی تھی۔ حیران تھی کہ اب کیا ہوگا۔ میں بچوں کو لے کر کہاں جاؤں گی۔ محمودہ آج پانچ سال کی ہے۔ کل کو سیانی ہوگی۔

آبادی بیگم بڑی ہی چالاک اور ہوشیار عورت تھیں۔ انہوں نے ذرا سی بات کو بڑھا کر زبیدہ کو بڑے مکان سے نکال کر کچے کھنڈر میں ڈالا۔ اور دو تین دن کے لئے بیٹے کو بھی ساتھ کر دیا۔ جب ان کو نکال دیا۔ تو شادی کے لئے گھر لیا پتا اس کے دالان میں فرش بچھا۔ اور ایک ہی ہفتہ بعد بھانجی بیاہ لائیں۔

فصل سوم

تکلّم خیز ہے ہمدم مرا اندازِ خاموشی۔
بیانِ دردِ دل منّت کشِ تابِ بیاں کیوں ہو؟

حامد منزل کے باغیچے میں کرسی۔ بنچ اور تخت پر چند صاحب خانہ بیگمات اور دو یورپین لیڈیاں بیٹھی ہیں۔ آپس میں ہنسی مذاق کی گفتگو ہو رہی ہے۔

بیگم حامد علی "ہمیں تو اس وقت تم میں سے کسی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں ہماری باجی جان خاموش ہیں۔ تمہیں ہنسی سوجھ رہی ہے"۔

بیگم محمود علی "اسی لئے تو ہم ہنس رہے ہیں۔ کہ کسی طرح باجی جان خوش ہوں۔ اور بولیں"۔

Taj Tahir Foundation

بیگم محمد علی :- نہ معلوم کیا سبب ۔ اس دفعہ باجی جان کچھ خوش نہیں آئیں + کسی کام ۔ کسی بات میں ان کا دل ہی نہیں لگتا ۔ میں سوچ سوچ کر اس قسم کی باتیں کرتی رہتی ہوں ۔ جس میں اِن کا دل بہلے ۔ مگر ان پر اثر ہی نہیں ''

تمکنت آرا :- مجھے خود باجی جان کی اس گہری خاموشی سے بہت فکر ہے ۔ اللہ ہی فضل کرے +

مس جارج :- ہاں ہم نے بھی خیال کیا ہے ۔ دو مہینے ہو گیا ۔ ان کو یہاں آئے ۔ بالکل چُپ رہا ''

سلطنت آرا :- آپ سب کیوں اِس قدر فکر مند ہوتی ہیں ۔ اگر میں بالکل خاموش ہوں ؟ تنہائی میں رہ کر مجھے خاموش رہنے کی عادت ہو گئی ہے + آپ لوگ خوش قسمت ہیں ۔ جو وطن میں ...... ایک دوسرے سے ملتے جُلتے ہنستے بولتے رہتے ہیں +

مس ولیم :- نہیں نہیں ۔ یہ بات ہرگز نہیں ۔ آپ کی خاموشی کا کوئی سبب ضرور ہے + پہلے جب آپ آیا کرتے تھے ۔ تو خوش ہوتے تھے ''

سلطنت آرا :- اچھا سسٹر! اس وقت آپ ہارمونیم پر کچھ گا کر سنائیں ''

مس ولیم :- میں خوشی سے سناؤں گی ۔ مگر یہ بتاؤ ۔ کہ آپ بھی خوش ہوں گی؟''

سلطنت آرا :- ہاں ہاں مجھے بہت خوشی ہو گی ''

مس ولیم :- اچھا کیسا گیت سناؤں ؟'' آپ جانتے ہیں ۔ میرا اُردو تو ٹھیک نہیں ''

سلطنت آرا :- نہیں بہت ٹھیک ہے ۔ ہمیں تو بہت پسند ہے ۔ آپ اُردو ہی میں سنائیں ''

مس ولیم (ہارمونیم پر) ؎

شمع کو دیکھ میرے دِل کو جلانے والے ۔ خود ہی جل بجھتے ہیں اوروں کو جلانے والے +

قید خانے میں مرا حال تو آ کر دیکھیں ۔ کیا ہوئے اب وہ مرا ناز اُٹھانے والے۔

"تو ہم کو جو آتا تھا۔ وہ سُنا دیا۔ اب آپ اِدھر آئیے"۔

سلطنت آرا: "مجھے اِس وقت کچھ یاد نہیں۔ میرے بدلے تمکنت آرا سے کہو"۔

تمکنت آرا: "بسر و چشم میں تیار ہوں۔ مگر باجی جان! آپ کو بھی تھوڑا بہت کچھ ضرور سُنانا ہو گا"۔

سلطنت آرا: "اچھا میں بھی سُنا دوں گی۔ پہلے تو تم اُٹھو"۔

تمکنت آرا۔ ع

رازِ دل اپنا عجب درد کا سامان نکلا۔ اس کے ہر پردے سے صد نالۂ افغان نکلا۔
نوحۂ غم کی تڑپ۔ نغمۂ شادی میں رہی۔ خندۂ عیش بھی گر نکلا تو گریاں نکلا۔
زندگی کو طرب آمیز سُنا کرتے تھے۔ یہ تو اِک قصّۂ پُر درد و پُر ارماں نکلا۔

سلطنت آرا: "بہن اِس کو پھر ایک دفعہ اور کہو"۔

تمکنت آرا۔ ع

زندگی کو طرب آمیز سُنا کرتے تھے۔ یہ تو اِک قصّۂ پُر درد و پُر ارماں نکلا
بے بسی چارہ گروں کی تھی عجب درد افزا۔ آس سے یاس ہوئی یاس سے حرماں نکلا

سلطنت آرا (آبدیدہ ہو کر) "آخری مصرع ایک بار اور"۔

بیگم حامد: "بس بس۔ تمکنت رہنے دو۔ بے فائدہ باجی کے رنج کو بڑھا رہی ہو"۔

سلطنت آرا: "نہیں بھابی! یہ شعر بہت اچھے ہیں بہن تمکنت! صرف ایک بار"۔

تمکنت آرا۔ ع

عبرت انگیز ہے نیرنگ طلسماتِ جہاں ۔ جو یہاں آیا۔ سراسیمہ و حیراں نکلا

اتنا بجا کر باجا بند کر دیا۔

سلطنت آرا: "تمکنت! تم نے اپنی بھابی کا کہنا مان لیا۔ ہمارا نہ مانا"۔

تمکنت آرا:۔ ”باجی جان! غزل ختم ہی ہو گئی تھی۔ بس اتنے ہی شعر مجھے یاد تھے۔ اچھا اب آپ آئیے“۔

بیگم محمود:۔ ”ہاں ہاں۔ اچھی باجی جان! کچھ تھوڑا سا“۔

بیگم محمد علی:۔ ”کمال مہربانی ہوگی“۔

سلطنت آرا:۔ ”تم سب کی خوشی تو مجھے دل و جان سے منظور ہے۔ لیکن کیا گاؤں۔ مجھے تو اب کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ ؎

تکلم خیز ہے ہمدم! مرا اندازِ خاموشی۔ بیانِ دردِ دل منت کشِ تابِ بیاں کیوں ہو؟“

بیگم حامد:۔ ”واقعی یہ خاموشی تو تکلم خیز ہی ہے“۔

سلطنت آرا۔ ؎

ہمارے سامنے بلبل نوا سنجِ فغاں کیوں ہو؟
چمن میں بے زباں اہلِ زباں کا ہمزباں کیوں ہو؟

تمکنت آرا:۔ ”بے شک بلبل کیا چیز ہے؟“

سلطنت آرا:۔ ”تب ہی تو میں کہتی تھی۔ اب سب نے پھبتیاں اڑانی شروع کر دیں“۔

تمکنت آرا:۔ ”توبہ باجی! بھلا ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ اور ایک آدھ مصرع اور کہہ دیں“۔

سلطنت آرا:۔ ”بس اب نہیں۔ جو یاد تھا کہہ دیا“۔ (اور وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئیں)۔

بیگم حامد:۔ ”باجی ناراض نہ ہوں۔ ہم نے مذاقیہ فقرہ تو نہیں کہا“۔

سلطنت آرا:۔ ”میں ناراض نہیں ہوں۔ بھلا کوئی بات بھی۔ بس دو ہی شعر یاد تھے۔ کہہ دئیے۔ یہاں اب سردی ہے۔ چلو کمرے میں چلیں“۔

ایک پنج سالہ لڑکا کھیلتا ہوا ادھر آ کر:۔

فضل الرحمٰن (لڑکے کا نام)۔"امّاں جان! چلئے کمرے میں۔ مجھے ابھی سبق یاد کرنا ہے"۔
سلطنت آرا۔"چلو میاں"۔ یہ دونوں ماں بیٹے چلے۔ اور ان کے پیچھے ہی اور سب بھی چلی گئیں۔ سات بج گئے۔ سب نے کھانا کھایا۔ مس جارج اور مس ولیم تو کھانے کے بعد ان سے رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر گئیں۔ اور یہ سب سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں۔ رات کے ۹ بج چکے ہونگے سلطنت آرا بیگم کا لڑکا تو سو رہا۔ اور وہ بھی لیٹی تھیں۔ مگر ابھی سوئی نہ تھیں۔ کہ دروازے پر کسی نے ہاتھ مارا۔
سلطنت آرا۔"کون ہے؟"
آواز۔"باجی جان! میں ہوں۔ ذرا دروازہ کھولئے۔ مجھے کچھ کام ہے"۔
اُنھوں نے دروازہ کھولا۔ اور تمکنت آرا بیگم اندر آئیں۔
سلطنت آرا۔"خیریت ہے۔ تم نے اس وقت کیوں تکلیف کی؟"
تمکنت آرا۔"باجی جان! میں سخت پریشان ہوں"۔
سلطنت آرا (گھبرا کر)"کیوں بچّہ تو اچھا ہے؟"
تمکنت آرا۔"بچّہ تو اچھا ہے۔ مگر میرا دل نہیں اچھا"۔
سلطنت آرا۔"کیا تکلیف ہے۔ کہیں درد تو نہیں؟"
تمکنت آرا۔"درد تو نہیں۔ مگر درد سے بھی سوا ہے۔ باجی جان! میں آپ کی طرف سے سخت تشویش میں ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے اپنا حال بتاؤ۔ ورنہ میں بیمار ہو جاؤں گی"۔
سلطنت آرا۔"تمکنت! تم کچھ رنج نہ کرو۔ آہ! میری قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہو گیا"۔

تمکنت آرا:- یہی تو پوچھتی ہوں۔ کہ کیا ہو گیا؟"

سلطنت آرا:- پیاری تمکنت! کیا بتاؤں۔ کہ کیا ہو گیا۔ آہ! سچ تو یہ ہے۔ کہ کس کی طرف سے ہوا۔ ہائے اُس کی طرف سے ہوا۔ جس سے مجھے ایسا گمان تو کیا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ بس رہنے دو مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میں کس زبان سے۔ اور کس کی شکایت کروں؟"

تمکنت آرا (رو کر) میری باجی! جلد کہو۔ میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے

سلطنت آرا:- اچھا تو روؤ نہیں۔ آرام سے بیٹھ کر سنو۔ اپنے بھائی کے عادات و خیالات سے تم واقف ہی ہو۔ تمہیں اُمید تھی۔ کہ وہ مجھ سے پلٹ جائیں گے؟ میری شادی کو دس سال ہوئے۔ جس خوشحالی میں یہ مدت گزری۔ تم بھی جانتی ہو۔ وہ مجھے کبھی علیحدہ نہ کرتے تھے۔ سو اس دس سال کے عرصے میں مشکل سے تین بار یہاں آئی تھی۔ وہ بھی پندرہ پندرہ دن کے لئے! اور وہاں تو دورے پر بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس دفعہ دیکھو مجھے تیسرا مہینہ گزر رہا ہے۔ یہاں آئے"

تمکنت آرا:- تب ہی تو مجھے فکر و تعجب ہے۔ کہ اس بار آپ کیوں اب تک یہاں ہیں۔ تینوں بھائی اور بھاوجوں کو بھی حیرانی ہے۔ مگر وہ سبب دریافت نہیں کر سکتے۔ کہ کہیں آپ کو ناگوار نہ گزرے"۔

سلطنت آرا:- ہاں سب کو تعجب ضرور ہو گا۔ میں ہر چند چاہتی ہوں۔ کہ بات نہ کھلے۔ مگر آخر کہاں تک؟ ضرور معاملہ کھل کر رہے گا"۔

تمکنت آرا:- للہ باجی! مجھے تو بتائیے؟"

سلطنت آرا:- بہن! میں کیا کہوں۔ تم کو یقین نہ آئے گا۔ ایک ان سے پختہ خیال، تعلیم یافتہ شخص کی بابت۔ کچھ عرصہ ہوا۔ ان کے خیالات بگڑ گئے۔ میری طرف سے بے پروائی بے توجہی اختیار کر لی۔ میں سخت پریشان رہی۔ مگر کچھ

Taj Tahir Foundation

پتہ نہ چلا۔ اُنہیں دنوں تبادلہ کا حکم آ گیا۔ تو خلاف معمول مجھے آگرے آنے کے لئے کہا۔ خیر میں آ گئی۔ مگر دل میں چبھن سی لگی رہی۔ پہلے ان کے خط روزانہ آیا کرتے تھے۔ اس دفعہ تیسرے چوتھے دن آئے۔ اور دو ہفتے بعد اتنا بھی نہ رہا۔ ہفتے ہفتے بعد ایک ایک خط ملا۔ آہ! پھر وہ بھی بند۔ اب تو پورا ایک مہینہ اور کچھ دن ہو گئے۔ کہ اُن کا کارڈ بھی نہیں آیا۔ میں بیسیوں بھیج چکی ہوں"۔

تمکنت آرا: "اُف یہ غضب آپ نے اپنے بلانے کو لکھا ہوتا"۔

سلطنت آرا: "بہتیرا لکھا۔ کچھ جواب ہی نہیں۔ اسی دن سے تو خط آنا بند ہو گیا جس دن سے میں نے اپنے جانے کو لکھنا شروع کیا"۔

تمکنت آرا: "آخر اس کا سبب کیا۔ کچھ یہ بھی معلوم ہوا؟"

سلطنت آرا: "سبب کیا۔ وہی جو مردوں کا شعار ہے۔ مجھے ایک منشی کے خط سے معلوم ہوا ہے۔ کوئی خراب عورت پلے پڑ گئی ہے"۔

تمکنت آرا: "(بے اختیار رو کر) ہائے ہائے اب کیا ہو گا؟ آپ کیا کریں گی؟"

سلطنت آرا: "ہوتا کیا۔ اور میں کرتی کیا؟ جیسے اور صدہا بےکس بے بس میری مظلوم بہنیں اپنے دن گزار رہی ہیں۔ میں بھی گوار لوں گی"۔

تمکنت آرا: "باجی! آپ کو خود جانا چاہیئے"۔

سلطنت آرا: "کوئی بلائے تو جاؤں۔ خود کیسے چلی جاؤں؟"

تمکنت آرا: "باجی! اس وقت تو جیسے کیسے ہو۔ خود ہی جانا چاہیئے"۔

سلطنت آرا: "میں نے بھی یہ سوچا تھا۔ مگر جاؤں کس کے ساتھ۔ میں اپنے بھائیوں پر یہ معاملہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔ اگر ظفر حسن یا کوئی بھائی پہنچانے گئے تو یہ بات کھل جائے گی۔ اور میں اس خیال سے ابھی پوشیدگی چاہتی ہوں۔ کہ نہ معلوم ابھی کیا بات ہے۔ کیا نہیں۔ یونہی خواہ مخواہ کیوں ان کی بدنامی ہو۔

شاید میرے وہاں جانے سے وہ عورت دفع ہی ہو جائے"۔

تمکنت آرا:۔ "تو کیا ابھی بات پختہ طور سے معلوم نہیں ہوئی؟"

سلطنت آرا:۔ "نہیں مجھے منشی کے خط سے اسی قدر معلوم ہوا ہے۔ کہ لدھیانہ کی ایک خراب عورت وہاں پر ہمارے پیچھے آئی ہے۔ اب نہ معلوم وہ میرے گھر میں ہے۔ یا کہیں علیحدہ ٹھیری ہے"۔

تمکنت آرا:۔ "تو باجی جان! یہ موقعہ تو ایسا ہے۔ کہ آپ کو فوراً پہنچنا چاہیے۔ ہمارے بھائیوں کو خبر بھی نہ ہوگی۔ آپ ان کے ساتھ چلی جائیں"۔

سلطنت آرا:۔ "ہاں یہ بات درست ہے۔ رشید الملک (تمکنت کے شوہر) پورا اخفا رکھیں گے"۔

تمکنت آرا:۔ "مگر پہلے بھائی جان کو اطلاع کر دینی چاہیے"۔

سلطنت آرا:۔ "اچھا کل خط لکھ دوں گی"۔

تمکنت آرا:۔ "کل نہیں۔ اسی وقت لکھیں۔ تاکہ صبح کی ڈاک سے نکل جائے"۔

سلطنت آرا:۔ "اچھا لاؤ۔ مجھے قلم دوات اور کاغذ اٹھا دو۔ تمکنت آرا نے سامان دیا۔ اور انہوں نے خط لکھنا شروع کیا"۔

حامد منزل۔ شاہ گنج۔ آگرہ ۱۹۱۲ء

درد دل دور سے ہم تم کو سنائیں کیونکر؟

بھیج دیں ڈاک میں آہوں کی صدائیں کیونکر؟

آہ! میں کیا لکھوں اور کس طرح لکھوں؟ بہتیرا لکھا۔ کچھ اثر نہ ہوا۔ میں کسی طرح اپنی اُس حالت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ جو آپ کا خط نہ آنے سے مجھ پر گزر رہی ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتی ہوں کہ خط پر خط لکھوں۔ مگر جواب نہ ملے تو کیا کروں؟ چار ہفتوں سے زیادہ عرصہ ہوا۔ کہ آپ کا خط نہیں ملا۔

میں نے پریشان ہوکر تار دئے۔ کیا تعجب ہے کہ تار کا جواب مل جاتا ہے۔ اور خطوط کا نہیں۔ میرا خیال تھا۔ کہ شاید کسی وجہ سے آپ کو میرے خط ملتے نہیں۔ لیکن رجسٹری کی رسید مل جانے سے اس کا بھی اطمینان ہوا۔ اب سخت پریشان و متحیر ہوں۔ کہ کیوں آپ نے خط بند کر لیا۔ زیادہ مجھے یہ فکر ہے۔ کہ خدانخواستہ آپ کی طبیعت خراب نہ ہو۔ اور میرے اطمینان کے خیال سے تار منشیوں سے دلوا دیتے ہوں۔ کہ میں اچھا ہوں۔ اس خیال نے مجھے سخت پریشان اور بے چین کر دیا ہے + اب میں کسی صورت یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اطلاعاً یہ خط لکھا ہے۔ کل شب کی ٹرین سے میں عزیز رشید الملک کے ہمراہ راولپنڈی روانہ ہونگی + فضل الرحمن بھی بہت گھبرا گیا ہے۔ بات بات پر ضدیں کرتا ہے۔ کل کہہ رہا تھا۔ کہ تم بیٹھی رہو یہیں مجھے اکیلا ہی پنڈی بھیج دو۔ عزیز تمکنت آرا بھی بہت فکرمند ہے۔ اور میرے ہمراہ آنا چاہتی ہے۔ مگر میں اس وقت ساتھ نہیں لاتی۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اب بس کرتی ہوں "!

آپ کی پریشان
سلطنت آرا

فصل چہارم

جان اس غم کو کھلا دیتا ہے۔ غم کھانا مرا۔
دخل ہونا غیر کا اور گھر سے اُٹھ آنا مرا +

آبادی بیگم کے گھر تو آج بڑی رونق ہے۔ نئی دُلہن ابھی ابھی ڈولے سے

اُتری ہے۔ مہمان جمع ہیں۔ رونمائی ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے ہدایت اللہ نے بہو کو دس روپے دے کر منہ دیکھا۔ پھر ساس نے پاؤں سے جھانجن اُتار بہو کو پہنا کر منہ دیکھا۔ دونوں نندوں نے دو دو روپے دئے۔ خلیا ساس کریمن نے بھی آٹھ آنے دئے۔ اسی طرح اور سب نے بھی منہ دیکھا۔ نئے دوُلھا عظمت اللہ صاحب بھی ڈیوڑھی میں بیٹھے اپنے دوستوں کے ساتھ حقہ پی رہے تھے۔ اب ذرا اُس بدنصیب کی حالت دیکھیں۔ جس کا راج بھاگ بلکہ تخت و تاج آج لُٹا ہے۔ اُس بے چاری سے چھین کر دوسری کو دیا گیا ہے۔ وہ غم زدہ کھپریل میں جھاڑو دے رہی تھی۔ جس وقت باجے کی آواز آئی۔ اس کا دل اور ہاتھ کانپنے لگے۔ جھاڑو ہاتھ سے گر گئی! اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ دیوار سے سہارا لے کر وہیں کی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ آدھا گھنٹہ اسی حالت میں گزر گیا۔ باہر سے محمودہ دوڑی آئی۔

محمودہ۔ "اماں! اماں! بہو آگئی۔ وہ دیکھو باجا بج رہا ہے چلو تم بھی دیکھو"۔

بچی کی ان باتوں سے اُس کے دل پر اور بھی سخت چوٹ لگی۔

محمودہ۔ "اماں اب مت روؤ۔ چلو نا۔ دُلہن کو دیکھو"۔

زبیدہ۔ "بی بی چلوں گی۔ پہلے تمہارے ابا سے پوچھ لوں۔ کہیں تمہاری دادی خفا نہ ہوں"۔

دیکھو تو وہ باہر کیا کر رہے ہیں۔ خالی ہوں تو بُلا لاؤ"۔

آفریں ہے زبیدہ کے حوصلے پر۔ گھر سے نکالا۔ خاوند چھنا۔ سوکن پڑی۔ ساس۔ خسر جان کے دشمن۔ اور وہ پھر سوت کا منہ دیکھنے کے لئے جانے کو تیار۔ صرف اس خیال سے کہ شاید ساس رضا مند ہو جائیں اور مجھے خدمت کے لئے ہی پھر اُس گھر میں بُلا لیا جائے۔ اس وقت اس کے کپڑے سخت میلے

چکٹ تھے۔ اِس لئے سوچا کہ اس حال میں گئی۔ تو سب کہیں گے۔ کہ سوگوارؤں کی شکل بنائی ہے۔ دِل پر جبر کر کے گٹھری کھول کر کپڑے نکال لئے، اُودی چھینٹ کا تنگ پاجامہ۔ اور موٹی ململ کا گلابی رنگا ہوا دوپٹہ کرتہ جوڑا نکال کر پلنگ پر رکھا۔ اور خود منہ دھونے لگی۔ کہ باہر سے نوشہ میاں آئے۔ گو ہزار بے حیائی اور بے شرمی اختیار کی۔ مگر قدرتی شرم سے آنکھیں نیچے جھکی جاتی تھیں ؛

عظمت اللہ :- کیا ہے ؟

زبیدہ :- خدا مبارک کرے نئی دُلہن ؛

عظمت اللہ :- خیر مبارک و بارک تو ہو گا ہی۔ تم بتاؤ کیا کام ہے ؟ محمود بُلانے گئی تھی ؛

زبیدہ :- ہاں میں نے بُلایا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ میں دُلہن کو دیکھنے جانا چاہتی ہوں ؛

عظمت اللہ :- جاؤ بڑی خوشی سے ؛

زبیدہ :- میں تو خوشی سے جاتی ہوں۔ مگر ڈر یہ ہے۔ کہ اماں جان خفا نہ ہوں تم اُن سے اجازت لے دو۔ تو میں ہو آؤں۔ جب وہ تمہاری بیوی ہے۔ تو مجھے بھی اُس سے محبت ہے۔ اور میں چاہتی ہوں۔ کہ ہم دونوں میں سلوک رہے۔ گو اُس کا مجھ سے کچھ واسطہ نہیں۔ میں یہاں الگ پڑی ہوں۔ لیکن محبت رہے تو اچھا ہی ہے ؛

عظمت اللہ :- کچھ پروا نہ کرو۔ اماں کو میں سمجھاؤں گا خفا کیسی وہ تو خوش ہونگی۔ تمہارے جانے سے میں خود بھی چاہتا ہوں۔ کہ تم دونوں میں بنی رہے۔ دیکھو تمہارے کپڑے بہت میلے ہیں۔ بدل کر جانا۔ وہاں بہت لوگ جمع ہیں ؛

یہ حکم دے کر سنگدل عظمت باہر گیا۔ اس وقت تو زبیدہ کو بھی سنگدل

ہی کہنا چاہیئے۔ اِس نے بھی پتھر کا کلیجہ کر لیا۔ اور کپڑے بدل کر اپنی دشمن کو دیکھنے چلی۔ کھڑکی میں تالا پڑا تھا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساس اُدھر سے گزر رہی تھیں۔ پوچھا "کون ہے؟"

زبیدہ "میں ہوں اماں جی ذرا کواڑ کھولو"۔

آبادی۔ (دروازہ کھول کر) "کیا ہے؟"

زبیدہ "اجازت دو تو میں بھی بہن خورشید بیگم کا منہ دیکھ لوں"۔

آبادی "اچھا ذرا ٹھیرو۔ اُس کے میکے کی دو تین بیبیاں بیٹھی ہیں۔ وہ چلی جائیں تو آنا"۔

تھوڑی دیر کے بعد زبیدہ کی نند خدیجہ اسے بُلا کر لے گئی۔ زبیدہ نے اپنے دالان کا آج کچھ اور ہی رنگ دیکھا۔ فرش پر چھپر کھٹ بچھا تھا جس میں دُلہن بیٹھی تھی۔ عظمت بھی وہیں کھڑے بہن سے پان لگوا رہے تھے۔ زبیدہ نے چھپر کھٹ کا پردہ اُٹھایا۔ خدیجہ نے بھاوج کا گھونگھٹ اُٹھا کر منہ دکھایا۔ اُس نے اپنی سونے کی آرسی سوکن کے ہاتھ میں پہنا دی۔ ساس بھی خوش ہوئیں اور میاں بھی خوش ہوئے۔ آج شام تک زبیدہ کو یہیں رکھا۔ رات کی روٹی کھا کر وہ سونے کو اپنے گھر گئی۔

نئی دُلہن کے آنے سے کام بڑھ گیا۔ لڑکیوں سے تو کچھ ہو ہی نہ سکتا تھا۔ کوئی نوکر تھی نہیں۔ اور رکھتیں تو تنخواہ دینی پڑتی۔ اس مجبوری کو پھر زبیدہ کو بلانا پڑا۔ شادی کے دوسرے دن بے چاری نصیبوں جلی زبیدہ سوت کی خدمتگاری کو اِدھر آنے لگی۔ نہ معلوم اس کا آنا جانا خورشید بیگم (عزیز دُلھن) کو پسند تھا یا نہیں۔ مگر ان دنوں شرم سے کچھ کہہ نہ سکیں۔ ہر روز صبح آ کر وہ بے چاری پکاتی رِیندھتی۔ ہاتھ دُھلاتی اور دُلھن دولھا کے آگے کھانا لا رکھتی۔ خود

پنچوں سمیت چولھے کے پاس کھالیتی۔ اور رات کو اُسی اکیلے گھر میں جا پڑتی۔ کچھ دن اسی طرح گزر گئے۔

فصل پنجم

دل نکل آیا تڑپ کر آ گیا منہ کو جگر۔
کچھ قیامت کا نہ آنا تھا یہاں آنا مرا۔

ڈپٹی عزیز الرحمٰن صاحب کے مکان پر گاڑی کھڑی ہے۔ ڈپٹی صاحب بیوی کو اُتروا کر اندر چلے۔ رشید الملک بھی ساتھ تھے۔ صحن میں داخل ہوتے ہی بیگم نے برقع اُٹھا کر دیکھا۔ کہ عمدہ لباس و زیور سے آراستہ اُن کے استقبال کو کوئی بی بی کھڑی ہے۔ جو نہایت تیزی سے اُن کے قدموں پر جھکی۔ اور سلام کیا۔ رشید الملک تو ایک غیر عورت کو دیکھتے ہی باہر واپس چلے گئے۔ اور ڈپٹی صاحب وہیں کھڑے رہے۔ بیگم اس کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئیں۔ اور میاں سے دریافت کیا۔ کہ "یہ کون ہیں؟" اس سے پیشتر کہ وہ کچھ جواب دیں۔ اُس نے کہا:

عورت۔ "جناب آپ کی ادنےٰ خادمہ"۔

بیگم۔ (میاں سے) "میں نہیں جان سکی۔ آپ تعارف کرائیں"۔

ڈپٹی۔ "میں کیا کہوں۔ وہ خود ہی کہہ رہی ہے۔ تمہاری خادمہ ہوں۔ چلو کمرے میں بیٹھو۔ آرام کرو۔ یہ خدمت کرے گی"۔

اُنہیں تو کمرے میں بٹھایا۔ اور خود فضل الرحمٰن کو گود میں لے باہر چلے گئے گلاب اور چمپا حیران رہ گئیں۔ اور بیگم کی تو گویا جان نکل گئی۔ اُن کو اس قدر

بھی اُمید نہ تھی۔ یہ خیال تھا۔ کہ اگر ہوئی بھی۔ تو میرے آنے کی خبر سے نکال دی جائے گی۔ یہ معلوم ہی نہ تھا۔ کہ اِن ڈھائی مہینے کے عرصے میں وہ پوری گھر والی بن چکی ہے۔ باورچی خانے میں ماماَئیں کھانا پکا رہی تھیں۔ بیگم بے چاری تو اس وقت مثل تصویر ساکت رہ گئیں۔ دل پھٹا اور کلیجہ اُٹھا آتا تھا۔ بمشکل صحن سے کمرے تک پہنچیں پلنگ پر بیٹھتے ہی پیچھے کو گر گئیں۔ وہ عورت گھبرا گئی۔ سنبھال کر لٹایا۔ پاؤں سے جوتی اُتاری۔ اور میاں کو بلوایا۔

نئی بی بی۔ میاں جی دیکھو تو۔ بیگم صاحبہ کو کیا ہو گیا؟ کیا ان کو غشی کا دورہ پڑا کرتا ہے؟

ڈپٹی۔ ”نہیں تو یہ سفر کی تکان کا سبب ہو گا“

پانی وغیرہ منگوایا۔ اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے آدھ گھنٹے کے بعد بیگم کو ہوش آیا۔ تو میاں نے چاء منگوائی۔ اور رشید الملک صاحب کو بھی باہر سے بلوایا۔ وہ بے چارے نیچی نظر کئے آئے۔ اور اُس عورت کی طرف سے کرسی پھیر کر بیٹھ گئے۔ ڈپٹی صاحب نے اِس وقت اِس خیال سے ان کو اندر بلوا لیا تھا۔ کہ نئی بی بی سے پردہ وغیرہ کی قید اُٹھا دی جائے۔ تاکہ یہ سب آپس میں بے تکلف ہو جائیں۔ نئی بی بی کی مُلازمہ گُل جان چائے لائی۔ اور سب کے درمیان اسٹول پر رکھ دی اور انہوں نے خود ہی بنا کر سب کو دی۔ بے چارا ننھا فضل حیرانی سے دوسری ماں کو دیکھ رہا تھا۔ شرم کے سبب وہ ایک غیر کے ہاتھ سے پیالی لیتے جھجکا۔ تو ڈپٹی صاحب نے بیٹے سے کہا:-

ڈپٹی۔ میاں نے لوٹ (رشید سے) ”کیوں بھئی! تم کچھ اچھی طرح سے نہیں پی رہے۔

شاید چا۔ پسند نہیں آئی۔ تم شاید دوسری چائے کے عادی ہو"۔

رشید الملک۔ (افسردگی سے آہستہ) "نہیں جناب! میں پی رہا ہوں۔ اکثر سبز چائے پینے کا بھی اتفاق ہو جایا کرتا ہے۔ مجھے اس وقت یہ فکر ہے۔ کہ ہمشیرہ صاحبہ کو بخار ہو گیا ہے۔ اور اُن کے چہرے سے پایا جاتا ہے۔ کہ تپ میں تیزی ہو رہی ہے"۔

ڈپٹی۔ (بیوی کی نبض دیکھ کر) "ہائیں! خدانخواستہ ابھی تو زیادہ نہیں"۔

اسی طرح بیٹھے باتیں کرتے کچھ وقت گزر گیا۔ بیگم لیٹی رہیں۔ اور دوسری بیوی پاؤں دباتی رہی۔

کھانے کا وقت ہو گیا۔ گُل جان نے ہاتھ دُھلائے۔ الماس کھانا لائی سب نے کچھ یونہی کھایا۔ پھر ڈپٹی صاحب لباس تبدیل کرنے باہر چلے گئے ان کی بیوی نوکروں کو کھانا دینے باورچی خانے گئیں۔ تو سالی بہنوئی میں باتیں ہوئیں۔

رشید۔ باجی میں سخت متحیر و پریشان ہوں۔ دُنیا کے عجب رنگ ہیں۔ بھلا اس پُختہ دماغ۔ عالی خیال تعلیم یافتہ شخص سے یہ اُمید تھی۔ پھر دیدہ دلیری تو دیکھو کہ مجھے بھی اندر بُلوا لیا۔ خیر اس کا انتظام بخوبی کر لیا جائے گا۔ ذرا رنج نہ کریں۔ اپنی صحت قائم رکھنی فرض ہے۔ میں یہاں ایک منٹ رہنا نہیں چاہتا۔ اور آپ کو اس حالت میں یہاں چھوڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ رات گزر جائے۔ کل کو واپس چلنے کا بندوبست کیجئے"۔

بیگم۔ "بھائی! کم حوصلہ جنس تو میں ہوں۔ تم تو مرد ہو۔ اسی بہادر فرقے سے جس کے ایک دلیر ممبر نے یہ کر دکھایا۔ بے شک تمہیں رنج ہوگا۔ میں کل کو تمہیں روانہ کر دوں گی۔ مگر میرا ابھی یہاں سے جانا مناسب نہیں۔ ابھی اسی طرح

گزارا کر کے دیکھتی ہوں۔ تم بھی خیال کرو۔ اس وقت وہ کس قدر تابعداری کر رہی ہے۔ اگر میری طرف سے بدمزاجی ظاہر ہوئی۔ تو سارا الزام مجھ پر آجائے گا"۔

رشید:۔ وہ الزام کیسا۔ ملزم تو وہ ہے۔ جس بے درد نے نہایت سنگدلی سے کام لیا۔ ایسے وحشیانہ فعل کا مرتکب ہوا۔ کوئی ضرورت نہیں آپ کو اس وقت غم خوری کرنے کی۔ کیونکہ بے قصور سراسر آپ پر ظلم ہوا ہے۔ ڈپٹی صاحب نکاح ثانی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرورت بتائیں۔ اجازت مذہبی کی آڑ میں جس قدر چاہا ظلم کر لیا۔ آخر ان کو ضرورت ہی کیا تھی دوسری کی؟ جب کہ پہلی بیوی تعلیم یافتہ سمجھ دار۔ خوب صورت ہنرمند۔ اور سب سے زیادہ یہ حسب پسند شادی ہوئی۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ پہلے غیر مرضی کی شادی ہوئی تھی۔ اب ہم نے خوشی کی کر لی۔ دوسری شادی کے جواز کی ایک یہ بڑی بھاری وجہ قرار دی گئی ہے۔ کہ پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوتی۔ دوسری کرنی واجب ہے۔ مگر یہاں یہ بات بھی نہیں۔ ڈپٹی صاحب تو کسی صورت بھی قابل معافی نہیں ہو سکتے۔ آپ ہرگز اس وقت خاموشی اختیار نہ کریں۔ آپ کی صدہا ہندوستانی مظلوم بہنیں اسی مصیبت میں گرفتار رہیں۔ اگر آپ نے بھی انہیں کی طرح رو جھینک کر زندگی گزار دی تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ آپ کی تعلیم کا۔ آپ کو کوشش کرنی چاہئے۔ اس خرابی کے انسداد کی۔ تاکہ ان ظالموں کو بھی کچھ تو معلوم ہو۔ اور دوسری بہنوں کا حوصلہ بڑھے۔ اور یہ ایک نظیر قایم ہو۔ خدانخواستہ آپ کوئی تنہا نہیں ہیں۔ بفضل خدا آپ کے تین بھائی مددگار ہیں اور چوتھا میں غلام۔

بیگم:۔ او ہو رشید۔ تم تو پورے جوش میں آگئے بے شک تمہارا خیال درست۔ تمہارا ایکچر پُر اثر میں بھی یہ سب باتیں جانتی ہوں۔ اور تنہا ہی ان کو پورا مزہ دکھا سکتی ہوں۔ مگر مجھے یہ کسی طرح گوارا نہیں۔ کہ خلاف دستور شرفا۔ ہندوستان

میں کوئی جھگڑا کروں۔ جو مصیبت ہوگی برداشت کروں گی۔ مگر مُنہ سے اُف تک نہیں کروں گی"۔

رشید۔(جھلا کر) "افسوس آپ کے حوصلے کو تعلیم نے کچھ بھی نہ بڑھایا۔ اگر خدانخواستہ ڈپٹی صاحب کی طرح مجھ سے ذرا بھی غلطی ہو جائے۔ تو تمکنت مجھے زندہ نہ رہنے دے۔ حالانکہ مجھے اپنی جان سے زیادہ چاہتی ہے"۔

بیگم۔(مسکرا کے) "یہ تمہارا خیال ہے۔ بے شک اُس کے مزاج میں تیزی ہے۔ مگر ایسا وہ بھی نہیں کر سکتی۔ خواہ تم لوگ ہم پر کتنا ہی ظلم کرو۔ ہماری طرف سے اس کا بدلا کبھی نہیں ملے گا۔ ہماری جانیں جاتی رہیں۔ لیکن وفاداری میں فرق نہ آئے گا۔ خیر جس طرح ہوگا گزار دی جائے گی۔ تم ذرا رنج اور فکر نہ کرو۔ اور ایک یہ بات سنو کہ میرے بھائیوں سے بالکل یہاں کا ذکر نہ آئے۔ اِس اخفا کے لئے تمہیں دل پر بہت جبر کرنا پڑے گا۔ لیکن میری خاطر گوارا کرنا"۔

رشید۔ "یہ سخت مشکل ہے۔ آخر کہاں تک چہیتے میاں کے کرتب کو چھپاؤں گی۔ یہ معاملہ بہت جلد ظاہر ہونے والا ہے اچھا اُن سے میں نے نہ بھی کہا۔ مگر تمکنت سے کہے بغیر نہ رہا جائے گا"۔

بیگم۔ "ہاں اُس سے تو کہو ہی گے۔ مگر سوائے رنج کے کیا ہوگا۔ وہ بھی کُڑھے گی غم اُٹھائے گی"۔

یہی ذکر تھا۔ کہ ڈپٹی صاحب آ گئے۔ اور رشید الملک کھڑے ہو گئے۔ اِن کے سونے کا انتظام باہر کیا گیا تھا۔ اُن کے جانے کے بعد خود کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور بیوی کی طرف متوجہ ہوئے۔

ڈپٹی۔ "اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ میں کوٹ وغیرہ اُتارنے گیا تھا وہاں

Taj Tahir Foundation

دو ایک آدمی آ گئے۔ اِس لئے دیر لگ گئی "۔

بیگم "ہاں۔ رات زیادہ آ گئی ہے۔ اب آپ آرام کریں "۔

ڈپٹی "شاید تمہیں نیند آ گئی ؟"

بیگم "مجھے تو نیند نہیں آئی۔ اِس لئے کہتی ہوں۔ کہ وہ اُس طرف اکیلی ہے "۔

ڈپٹی "وہ اکیلی نہیں۔ دونوں نوکریں وہیں سوئیں گی "۔

بیگم "نہیں آپ بھی اُدھر ہی جائیں۔ چونکہ اُس کے ابھی نئے دِن ہیں۔ آپ کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیئے۔ جس سے وہ دِل برداشتہ ہو جائے "۔

ڈپٹی۔ (شرمندگی سے) "وہ ایسی نہیں ہے۔ تم اِس قسم کا خیال بھی نہ کرو۔ وہ تو تمہاری سچی خادمہ ہے "۔

بیگم "خیر تابعدار تو جیسی ہوگی ویسی ہوگی۔ خادمہ کیسی وہ میری سرتاج ہے۔ کیونکہ میرے سرتاج کی سرتاج ہے "۔

ڈپٹی "ہرگز نہیں۔ وہ ہماری کنیز ہے "۔

بیگم "جی کنیز ہے۔ کنیز کے لانے کی کیا ضرورت تھی ؟ خدمت کو دو کنیزیں (گلاب اور چمپا) موجود تھیں "۔

ڈپٹی "بے شک کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر کیا کہوں۔ کہ کیسی مجبوری کو لانی پڑی "۔

بیگم "(مُسکرا کے) بے شک میں مانتی ہوں آپ سخت مجبور ہو گئے ہوں گے۔ تب تو اتنا بڑا کام کیا۔ دل انسان کو سخت مجبور کر دیتا ہے "۔

ڈپٹی "تو بہ جی۔ یہ بات نہ تھی۔ مجھ پر ایسا گمان کر سکتی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں۔ مجھ پر سخت مصیبت بن گئی تھی "۔

Taj Tamir Foundation

بیگم ! آپ نے گمان) کی خوب کہی - بے شک گمان کیا۔ مجھے تو کبھی شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔ مگر کیا کیا ظہور پذیر ہوا - آپ یقین کریں - میں سچ کہتی ہوں - کہ اس تعجب خیز واقعے کے نظارے کی میرا دلِ ناتواں تاب نہ لا سکا - اور یہی وجہ تھی - اس قت کی غشی کی - نہ صرف اس وجہ سے کہ اپنے نقصان کا رنج ہوا - بلکہ صرف اس خیال سے کہ یہ کیا ہو گیا - اور کس کی طرف سے ہوا - اور اب زمانہ کیا کہے گا - ایسے روشن خیال تعلیم یافتہ جنٹلمین کے اس فعل کو - کیونکہ ظاہرا سمجھ دار پارٹی کو کوئی وجہ - کوئی ضرورت نظر نہ آئے گی آپ کے عقد ثانی کی - اس لئے کہ اب تک میرے ساتھ آپ کی اچھی طرح گذری - کسی نے کوئی شکایت نہیں سُنی - میں یہ بھی نہ کہہ سکوں گی - کہ اولاد کے لئے میں نے اپنے صاحب کی دوسری شادی کی ہے - کیونکہ لڑکا موجود ہے ''!

ایک بڑی بھاری خرابی یہ واقع ہوئی - کہ آپ کی دوسری شادی کسی ہم رُتبہ خاندان میں نہ ہوئی - اپنی ہندوستانی ذات پات کی پرچول سے آپ واقف ہی ہیں - اب مجھے یہ بھی فکر ہے - کہ ہماری اولاد کو آیندہ سخت دقتوں کا سامنا ہوگا - بس ایسی ایسی ذلتوں کے خیال سے میں سخت رنجیدہ ہوں - اگر آپ کو دوسری شادی کرنی ہی تھی - تو مجھ سے صلاح کرتے - میں کسی طرح عقد ثانی کی ضرورت کو زمانہ پر ثابت کر کے کسی ہم رُتبہ خاندان میں آپ کی شادی کرتی - اور شادی کی ضرورت اس طرح ثابت کرتی - کہ اپنی صحت کو خراب بتاتی - کہ میں انتظام خانہ داری کے قابل نہیں رہی ہوں - اپنی مددگار بنانے کو شوہر کی دوسری شادی کی - لیکن آپ نے تو مجھ سے بے انتہا اخفا کیا - کن کن ترکیبوں سے مجھے گھر سے نکالا - اور پھر بہ ظلم (آبدیدہ ہو کر) کہ خط بھی بند کر لیا - وہ تو میں ہی سخت جان تھی - کہ اِس ناقابل برداشت صدمے کو

سہا۔ اور زندہ رہی۔ ورنہ میری دُنیا میں اب کوئی ضرورت نہیں۔ میری ہستی اب بالکل بے کار اور آپ پر بوجھ ہے۔ کیونکہ میں دُنیا میں جس کے لئے بھیجی گئی تھی۔ وہ اب مجھ سے بیزار ہے۔ بس اب مجھے خدا اُٹھا لے تو خوب ہے"۔

بیوی کی یہ تقریر سُنتے جاتے تھے۔ اور ڈپٹی صاحب کا دِل کٹا جاتا تھا۔ عرق ندامت سے تر ہو رہے تھے۔ کچھ جواب نہ بن پڑتا تھا۔ بولنا چاہتے تھے۔ مگر زبان میں یارا نہ تھا۔ آخر جب جواب نہ دے سکے۔ تو کُرسی سے کھڑے ہو گئے۔ اور یہ کہتے ہوئے بیوی کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

"میری فرشتہ خصلت۔ میری رہنما سلطنت میں تمہارا گناہ گار اور سخت گناہ گار ہوں۔ بے شک میں نا قابل معافی ہوں۔ تم ایسا نہ کہو۔ خدا مجھے اس دُنیا سے اُٹھائے۔ مجھ سا رُو سیاہ زندہ رہ کر کیا کرے گا؟"

بیگم گھبرا گئیں۔ اور بہت جلد دونوں ہاتھوں سے میاں کو اُٹھایا۔ "لِلہ آپ مجھے گناہ گار نہ کریں۔ آپ نے کوئی ایسا انوکھا کام نہیں کیا۔ مردوں کا کام ہی یہ ہے"۔

ڈپٹی:۔ "آہ سلطنت! مردوں کا کام ہوگا مگر میرا نہ تھا۔ جو مجھ سے ہو گیا۔ مجھے خود اپنے آپ سے یہ اُمید نہ تھی۔ آہ میں کیا کر گزرا۔ مگر خدا کے واسطے تھوڑی سی میری بھی سُن لو۔ اور میری سچائی کا یقین کرو"۔

بیگم:۔ "کوئی ضرورت نہیں آپ کو اس قدر تکلیف کرنے کی۔ جو ہو گیا۔ سو ہو گیا"۔

ڈپٹی:۔ "تمہیں میری قسم ہے۔ سنو!"

بیگم:۔ "اے ہے۔ قسمیں دینے لگے۔ اچھا کہئے"۔

ڈپٹی:۔ "لدھیانے میں تبدیلی سے دو ہفتے پیشتر تم میری حالت دیکھ رہی تھیں۔

کہ میں کیسا پریشان تھا۔ بلکہ تم نے دریافت بھی کیا تھا۔ مگر میں نے ٹال دیا تھا۔ اُس پریشانی کا سبب بھی یہ بلائے ناگہانی تھی۔ تم نے اِس کو پہچانا تو بھلا کہاں ہوگا۔ کبھی دیکھا نہ تھا۔ لیکن تم نے نام سُنا ہوگا۔ لُدھیانہ میں ہماری کوٹھی کے سامنے ایک عورت رہتی تھی۔ اس کے گھر کچھ عرصے سے ایک بہیں کی عورت زرّیں جان نامی جا رہی تھی"۔

بیگم "ہاں میں جانتی ہوں۔ ان کے سب حالات سُنتی رہتی تھی"۔

ڈپٹی "نہ معلوم کیوں بلائے بے درماں کی طرح وہ میرے پیچھے پڑ گئی۔ ہر چند ہٹانے کی کوشش کی۔ نوکروں نے ڈرایا دھمکایا۔ مگر ایک کارگر نہ ہوا۔ اس کا یہی سوال تھا۔ کہ مجھے بیگم کی خدمت کے لئے گھر میں رکھ لو۔ میں سخت حیران تھا۔ کہ کیا کروں۔ کہ انہیں دنوں تبدیلی ہوگئی۔ یہ راولپنڈی بھی میرے ساتھ آنے کو تیار تھی۔ اور کسی طرح میرا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔ اس لئے میں نے تمہیں آگرے بھیجا۔ کہ نہ معلوم یہ کیا گل کھلائے گی۔ اگر تم میرے ساتھ آئیں۔ تو تمہیں رنج ہوگا۔ اور میں شرمندہ ہوں گا۔ میں نے سوچا تھا۔ کہ پنڈی جا کر اس کے سرپرستوں کو اطلاع دے کر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر تمہیں بُلا لوں گا۔ لیکن معلوم نہ تھا۔ کہ یہاں آ کر یہ بلائے جان ہو جائے گی۔ جب ہم اِدھر آئے۔ یہ بھی اُسی ٹرین سے آ کر گھر میں داخل ہوگئی۔ اور بے انتہا عاجزی اور منت سے نکاح کرنے کو کہا۔ اس پر میں نے خوب خبر لی۔ مگر اُس پر ایک اثر نہ ہوا۔ وہ جان دینے کو تیار ہوگئی۔ اِس صحن والے کنوئیں میں گرنے کو تیار تھی۔ میں نے اِس کی بھی پروانہ کی۔ تو کچہری چلنے لگی۔ کہ "میں عدالت میں کہہ دوں گی۔ کہ لُدھیانے سے مجھے نکاح کر کے لائے ہیں اب گھر سے نکالتے ہیں"۔ اب تو میں سخت مجبور ہوگیا۔ وہ برقع لے کر

کچہری کی طرف چل پڑی۔ تو نوکروں نے روکا۔ اور اُسی روز سے نہ معلوم کب تک کے لئے یہ بلا ہمارے سر پڑ گئی+ سلطنت اب میری عزت تمہارے ہاتھ ہے۔ جس طرح چاہو اِس کو اپنی خدمت میں رکھو"۔

بیگم "خدمت کیسی۔ وہ میرے برابر بلکہ مجھ سے بڑھ کر رہے گی۔ اور آپ کی خوشی کے لئے یہ سب کچھ مجھے خوشی سے منظور ہے"+

ڈپٹی "یہ کیا کہتی ہو ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اور شاید تمہیں ان واقعات کی سچائی میں کچھ شک ہے"+

بیگم "آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ آپ کے کلام میں مجھے شک ہو سکتا ہے؟ اچھا اب وقت بہت گزر گیا ہے شاید بارہ بج گئے ہوں گے۔ جائیں اب آرام کریں"+

ڈپٹی "جاؤں کدھر؟ ایسی باتیں نہ کرو"+

فصل ششم

دِل شکستوں کی نہ توڑ آس ترس کھا اے یاس۔
آسرا آسرے والوں کا لگا رہنے دے+

عظمت اللہ کی دُوسری شادی کو ایک مہینہ گُزر گیا۔ بدنصیب زبیدہ بڑی جانکاہی سے سوکن کی خدمت کرتی رہی۔ مگر خورشید بیگم کو اتنا بھی گوارا نہ تھا۔ کہ وہ آنکھوں کے سامنے اِس گھر میں پھرے+ آخر اس نے نوک جھوک کرنی شروع کی+ ساس اور میاں سے یہ کہا "کہ محمودہ کی ماں مجھ پر جادو ٹونے

Taj Tahir Foundation

کرتی ہے۔ کھانا پکانا اسی کے ہاتھ ہے۔ ہر ایک چیز میں کچھ نہ کچھ ڈال کر مجھے کھلاتی ہے۔ یہ مجھے مار ڈالے گی۔ اگر اسی طرح کام دھندے میں رہی"۔

زبیدہ بہت سویرے اُٹھ کر ادھر آتی تھی۔ صبح کے پانچ بجے تھے محمودہ اور صبغت اللہ کو سوتا چھوڑا۔ خود اُٹھی۔ نماز پڑھی۔ اور بڑے گھر آئی۔ باورچیخانے میں جھاڑو دے کر آگ جلائی۔ سب کے مُنہ دھونے کو پانی گرم کیا۔ اتنے میں ساس نندیں بھی اُٹھ بیٹھیں۔ تو اُن کے دالان میں جھاڑو دے آئی۔ اب یہ خیال کہ بچے نہ اُٹھے ہوں۔ اور رونے ہوں۔ مگر جا بھی نہ سکی۔ کہ ابھی عزیز دُلہن نہ اُٹھی تھیں۔ اگر پیچھے اُٹھیں تو پانی کون دے گا۔ ساڑھے چھ بجے ان کا دروازہ کھلا۔ زبیدہ فوراً گرم پانی لے کر منہ دُھلانے گئی"۔

عزیز دُلہن۔ "رکھ دو لوٹا۔ میں آپ دھولوں گی"۔

زبیدہ۔ (میاں سے) "اُٹھو تم بھی دھولو"۔

عظمت۔ "ہاں دھولوں گا۔ جاؤ تم اپنا کام کرو"۔

زبیدہ تو پانی رکھ کر بچوں کو دیکھنے گئی۔ دُلہن نے اُٹھ کر لوٹے میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک کاغذ کا پُرزہ پانی سے نکال کر میاں کو دکھایا۔

دُلہن۔ "یہ دیکھو بیگم صاحبہ کے کرتوت میں نہ کہتی تھی۔ کہ یہ ایک نہ ایک دن مجھے مار ڈالے گی۔ پانی میں تعویذ گھول کر لائی ہے"۔

میاں۔ (پُرزہ دیکھ کر) بے شک ہے تو تعویذ۔ اچھا انتظام کروں گا۔ اماں جان سے کہہ کر ادھر آنا پھر بند کرا دیا جائے گا"۔

دُلھن۔ "خالہ جی کبھی بند نہ کریں گی۔ اُنہیں مجھے مارنا ہی منظور ہے۔ کام کے لئے اسے گھسائے ہوئے ہیں۔ نوکر نہیں رکھی جاتی۔ اگر ایسا ہی خرچ کرنا دُشوار ہے۔ تو خود کریں۔ بیٹیوں سے کرائیں۔ ہم نے تو نہ کبھی کیا۔ نہ اب کریں۔ ہمیشہ

باوا کے گھر دو دو اصیلیں رہیں اور رہیں ۔

عظمت اللہ "بہت اچھا تم فکر نہ کرو۔ اصیل کا بھی بندوبست ہو جائے گا"۔

تھوڑی دیر میں زبیدہ ناشتہ لائی۔ پراٹھے اور انڈے کی ٹکیاں ۔

عظمت "لے جاؤ یہ جو کچھ لائی ہو۔ ہم نے تو تم پر اعتبار کر کے سب کام لیا۔ مگر افسوس تم خدمت گزاری کے قابل بھی نہیں۔ ہماری جان کی دشمن ہو گئیں۔ تمہاری سب ترکیبیں ہمیں معلوم ہو گئیں۔ جو ہمیں مارنے کی کر رہی ہو۔ اب ہم تیرے ہاتھ کا پانی بھی نہ پئیں گے"۔

زبیدہ (کانپ کر) "کیا ہوا۔ مجھے تو خبر بھی نہیں۔ میرا خدا مع میرے دونوں بچوں کے میری جان لے۔ اگر میں تمہارے حق میں کچھ برائی کرتی ہوں۔ وہ تو سب کچھ جانتا ہے"۔

عظمت "او نابکار! یہ دیکھ پانی کے لوٹے سے یہ تعویذ نکلا ہے"۔

زبیدہ "میرا خدا گواہ ہے۔ کہ یہ تعویذ نہیں۔ میں تو تعویذوں کو جانتی بھی نہیں۔ صبح کا غذوں سے آگ سلگائی تھی۔ کوئی پرزہ تسلے میں پڑ گیا ہو گا"۔

عظمت "بس باتیں نہ بنا۔ یہ طباق اٹھا۔ اور دور ہو جا ہمارے سامنے سے"۔

آہ کمبخت زبیدہ لرزتی کانپتی روتی ہوئی باورچی خانے میں گئی۔ یہ سب قصہ ساس نے سنا۔ انہیں بھی یقین آ گیا۔ اب تو اس کی جان پر بن گئی ۔

آبادی "یہ سب ٹھیک ہے۔ تو نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ کل بھی روٹی کھانے کے بعد عزیز دلہن کو قے ہو گئی تھی۔ جب تو میرے بچے اور بھانجی کی جان کی دشمن

ہے۔ تو اس گھر سے تیرا کیا کام؟ مریں تیرے دونوں بچے۔ نکل جا میرے گھر سے۔ وہ تو شکر ہے۔ حال کھل گیا۔ جو میرے بچوں کی جان بچ گئی۔ نہیں تو خدا نہ کرے اگر عزیز دلہن کا بال بھی بیکا ہوتا تو تجھے زندہ کو گاڑ دیتی"۔

ہدایت اللہ بھی آ گئے۔ بدبخت زبیدہ کو چوٹی سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کھڑکی تک لے گئے۔ اور دوسرے مکان کے صحن میں ڈال کر دروازہ بند کر لیا۔ غریب محمودہ اور صبغت اللہ روتے ہوئے کھڑکی پر سر گئے۔ تو معصوم بچوں پر بھی رحم نہ آیا۔ بڑی پھوپی علیمہ نے دونوں کی باہیں پکڑ کر کھڑکی سے اُس طرف پھینک دیا۔ اور زنجیر لگا لی۔

آہ ایسے ظالموں پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا۔ کیا زبیدہ اِس گھر کی حق دار نہ تھی یا وہ غریب ان کے بچے نہ تھے؟ ہائے اُس مظلوم پر کیا گزری؟ اِس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ بہت دیر تک زمین پر پڑی روتی رہی۔ کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ بہت عرصے کے بعد خود ہی اُٹھی۔ بچوں کو اُٹھایا۔ محمودہ چونکہ منہ کے بل گری تھی۔ اُس کے خون بہ رہا تھا۔ صبغت اللہ کا گھٹنا چھل گیا تھا۔ دونوں کو پونچھ پانچھ کر گودی میں لے لیا۔ اور بیٹھ رہی۔

دوپہر دن چڑھ آیا۔ کسی نے ان کی روٹی کی پروا نہ کی۔ بچوں نے بھوک سے بلبلانا شروع کیا۔ وہ مجبور کیا کرتی۔ کہاں سے لاتی۔ سوا بھس اور کھلی کے گھر میں کچھ تھا نہیں۔ پڑوسیوں سے ملنے کا حکم نہ تھا۔ تمام دن سخت مصیبت سے گزرا آج چونکہ سزا دی گئی تھی۔ دن بھر کھانے کی کسی نے خبر نہ لی۔ شام کو بارش ہونے لگی۔ بھوکے بچے اور بھی گھبرائے۔ قریب آٹھ بجے رات کے کسی نے کھڑکی کھٹکھٹائی تو اس بدنصیب نے جا کر دیکھا۔ چھوٹی لڑکی خدیجہ روٹی لئے کھڑی تھی بیچاری نے لے لی۔ بچے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ مٹی کی رکابی میں چنے کی دال

اور چار روٹیاں تھیں شاید دو ماں کی اور ایک ایک بچے کے حساب سے بھیجی ہونگی زبیدہ کا دل غم سے بھرا پڑا تھا۔ اس کو روٹی کی ضرورت نہ تھی۔ ڈیڑھ ڈیڑھ چپاتی دونوں بچوں کو کھلائی اور ایک صبح کے لئے رکھ دی۔ اُٹھ کر بیلوں پر جھول ڈالی چراغ بجھایا۔ اور دونوں بچوں کو کلیجے سے لگا کر پڑ رہی۔ آہ! زبیدہ بدنصیب کو اب کوئی اُمید نہ تھی۔ اپنے گھر پھرنے کی +

فصل ہفتم

آہ یوں بے لُطف ہو کر گر جئے تو کیا جئے؟

زندگی اچھی نہیں بہتر ہے مر جانا مرا +

زرّیں جان "یہ تو کچھ کا کچھ ہو گیا۔ میاں جی بالکل ہی بیگم کے ہو گئے"

گل جان "دو مہینے ہو جائیں گے بیگم کو آئے۔ اِدھر تو سرکار کسی وقت آتے ہی نہیں"+

زرّیں "خیر کوئی بات نہیں۔ سب درست ہو جائیگا + جب ایسے شخص کو قابو ہی کر لیا۔ تو اب تو سب آسان ہے۔ میرے خیال میں اب یہ مناسب ہے۔ کہ علیحدہ علیحدہ گھر کرآؤں۔ یہ سب خرابی ساتھ رہنے سے ہوئی ہے"+

گل جان "یہ بات تو ٹھیک ہے۔ مگر سرکار مانیں۔ جب ہے"+

زرّیں "اُونہہ۔ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ وہ تو فوراً مان لیں گے"+

صبح تو بیوی نوکریں میں یہ صلاح ہوئی۔ اور سہ پہر سے یہ مشہور ہوا۔ کہ

بیوی کو بخار ہو گیا۔ بیگم خود زرّیں کو دیکھنے اس کے کمرے میں آئیں۔ وہ سر کو رومال باندھے۔ لحاف اوڑھے پڑی تھیں۔ لحاف کی گرمی سے منہ سُرخ ہو گیا تھا۔ مگر بخار بالکل نہ تھا۔ بیگم نے نبض دیکھ کر کہہ دیا۔ کہ تپ ہو گئی ہے۔ ڈپٹی صاحب کو بخار کی اطّلاع ملی۔ وہ بھی اِسی طرف آ گئے۔ بیگم کو بھی یہیں زرّیں کا سر دباتے دیکھا۔

ڈپٹی ؔ" کیا ہے۔ بخار کیوں ہو گیا؟"

زرّیں۔ (خاموش)

بیگم ؔ" کہتی ہیں سردی لگ کر ہو گیا"۔

ڈپٹی ؔ" زرّیں! کیوں۔ سر میں درد بھی ہے؟"

زرّیں۔ (خاموش)

گل جان ؔ" جی آپ آج پوچھتے ہیں۔ بیوی کے سر میں کئی دن سے درد ہے۔ آج بخار بھی ہو گیا"۔

ڈپٹی ؔ" ہم سے تو کسی نے نہیں کہا"۔

گل جان۔ کہتیں کس وقت۔ اِدھر آ کر آپ بیٹھتے ہی نہیں۔ کھڑے کھڑے آئے اور چلے گئے۔ کوئی بات کرے تو کیسے؟"

اب تو ڈپٹی صاحب چُپ ہو گئے۔ بیگم نے اپنا یہاں سے اُٹھنا مناسب سمجھا۔ اور نماز کے عُذر سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ڈپٹی صاحب بیٹھ گئے۔ اور لحاف منہ پر سے ہٹا کر کہا:۔

ڈپٹی ؔ" زرّیں! کیوں تم بولتی ہی نہیں"۔

زرّیں۔ (رو کر۔) "کیا بولوں اور کس سے بولوں۔ آپ تو کسی وقت ملتے ہی نہیں"۔

ڈپٹی :- اب تو بیٹھا ہوں اور ہر وقت آتا جاتا رہتا ہوں۔ تم خود سمجھ دار ہو۔ جانتی ہو۔ کہ ان دنوں مجھے بیگم کے ساتھ اسی طرح پیش آنا ضروری تھا۔ کیونکہ ابھی نئی بات ہے۔ رفتہ رفتہ ان کو عادت ہو گی۔ دوسرا یہ بڑا خیال ہے۔ کہ اُن کے تین بھائی ہیں۔ اب تک اُنہوں نے اس معاملے کی خبر اپنے میکے نہیں کی۔ مجھے ہر بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تم اطمینان رکھو۔ مَیں دِل سے تمہارا ہی ہوں"۔

زرّیں :- یہ سب میں جانتی ہوں۔ مگر کیا کروں طاقتِ برداشت نہیں۔ مجھے اسی رنج میں بُخار ہو گیا۔ آپ کی اِس قدر علیحدگی گوارا نہیں کر سکتی"۔

ڈپٹی :- زرّیں تمہیں گوارا نہیں۔ تو مجھے بھی کب گوارا ہے؟ اچھا اب تم اطمینان رکھو۔ مَیں اب آدھا وقت تمہاری طرف صرف کیا کروں گا۔ اور آدھا اُدھر"۔

زرّیں :- ایک مجھے اِس بات کا بڑا رنج ہے۔ کہ میں بے انتہا تابعداری اور محبت کرتی ہوں۔ لیکن بیگم مجھ سے خوش نہیں"۔

ڈپٹی :- نہیں یہ تمہارا خیال ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ وہ تم پر بہت مہربان ہیں"۔

زرّیں :- بے شک آپ کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہو گا۔ کیونکہ آپ کا بہت سا وقت باہر صرف ہوتا ہے۔ آپ کو کیا معلوم۔ گھر میں کیا کیا ہوا۔ جس وقت آپ اندر آتے ہیں۔ وہ مجھ پر مہربان ہو جاتی ہیں۔ اور آپ کے پیچھے جس جس طرح مجھے جلایا اور ستایا جاتا ہے۔ وہ خدا ہی جانتا ہے۔ یہ چمپا اور گلاب بڑی آفت ہیں۔ بچھو کی طرح ڈنک مارتی ہیں۔ میری نوکروں سے کہتی ہیں۔ کہ تمہاری بیوی کو ہم جانتے کیا ہیں :- رہتی بہتی آئی۔ گھر گھساؤں کہلائی"۔

بے شک میں اسی طرح سے آئی ہوں - مگر ادنے کنیزوں کے منہ سے یہ زیبا نہیں - اگر بیگم نہیں - تو بھی خیر - خواہ میں کوئی بھی ہوں - لیکن اب تو تمہاری عورت ہوں - ایسی ایسی باتوں سے میرا دل پک گیا ہے"؛

ڈپٹی :- او ہو - میں ان معاملات سے آگاہ نہ تھا - خیر کوئی بات نہیں - تم رنج نہ کرو - یہ دُنیا کا دستور ہے - گلاب اور چمپا سے تو سمجھ لیا جائے گا"؛

اس وقت کی زریں کی عیّارانہ تقریر کا یہ اثر ہوا - کہ ڈپٹی صاحب سپہر سے جو اندر گئے - پھر باہر نکلے کھانا کھانے کے لئے بیگم کی طرف نہ گئے - اور گلاب اور چمپا سے کام لینا چھوڑ دیا + بیگم بے چاری حیران کہ یکدم یہ کیا ہو گیا + دُوسرے دن صبح کو کچہری جاتے وقت پان کھانے بیگم کے پاس آئے - تو کہہ دیا - کہ رات اس کو بخار سے بڑی تکلیف رہی اِس لئے میں اِدھر نہ آسکا" اور باہر چلے گئے + ان کے اس طریق سے بیگم کو کوئی غیر معمولی رنج نہ ہوا - کیونکہ وہ جانتی تھیں - کہ ان کی یہ چاپلوسی میرے ساتھ چندروزہ ہے - آخر وہی ہو گا جو دستور زمانہ ہے - دوسری عورت ضرور میرے خلاف میاں کے کان بھرے گی - اور اُن کا دل ہماری طرف سے پھر جائے گا - آخر وہی ہوا + روز بروز ڈپٹی صاحب بیگم سے کشیدہ ہوتے گئے لیکن بیگم نے بالکل ظاہر نہ ہونے دیا - اِس خیال سے کہ میاں نہ سمجھیں - کہ میرا زریں کی طرف رہنا انہیں ناگوار گزرا + جس وقت جتنی دیر کو بھی آتے وہ نہایت خندہ پیشانی سے ملتیں لیکن اُس نے اپنی کارروائی جاری رکھی - ہر وقت میاں کو یہی سُناتی رہی - کہ بیگم مجھ سے سخت ناراض رہتی ہیں - اور مجھے ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتیں - اور اپنی اصیلوں سے میری بے عزتی کراتی ہیں"؛

ڈپٹی صاحب کو بیگم کی طرف سے سخت رنج پہنچا - کہ یہ عجب طریق ہے -

Taj Jamil Foundation

کہ میرے سامنے بالکل خوش رہتی ہیں - اور پیچھے زرّیں کو تنگ کرتی ہیں۔ رات
دن کی شکایات سُنتے سُنتے وہ سخت تنگ ہو گئے - کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا - کہ
کیا کریں؟ اُدھر زرّیں کی بیماری نے وہ طول کھینچا - کہ کئی ڈاکٹر بدلے گئے -
اور آرام نہ ہوا + اِس بیماری میں بھی مصلحت تھی - کہ بخار تو اُتر گیا - اب
درد رہنے لگا - کیونکہ بخار کو ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے - اور درد ایسا مرض
ہے - جس کو مریض ہی محسوس کر سکتا ہے + اب انہوں نے میاں سے یہ
کہنا شروع کیا - کہ اس گھر میں مجھے صحت نہ ہو گی - ایک تو جگہ تنگ ہے دوسرے
یہاں ہر وقت میرا دل جلتا رہتا ہے - اور مریض کو آرام اور اطمینان
چاہیئے - میری صحت کے لئے نقل مکان ضروری ہے + ڈپٹی صاحب نے
بخوشی منظور کیا اسی مکان کے ساتھ دُوسرا مکان انہیں دنوں خالی ہوا
تھا - وہ لے لیا گیا - اور سب انتظام باہر سے باہر ہی ہو گیا + جب صرف
بیوی کا جانا باقی رہ گیا - تو آپ بیگم کے پاس آئے +

ڈپٹی: "دیکھو جی زرّیں تو اچھی نہیں ہوتی - کئی ہفتے ہو گئے علاج کراتے کچھ
افاقہ نہیں - اب ڈاکٹروں کی رائے ہے - کہ مریضہ کو نقل مکان کرایا جائے
میرے خیال میں بھی یہی مناسب ہے - کیونکہ ہمارے اس مکان کا صحن ذرا
تنگ ہے - ڈاکٹر صاحب نے یہ ساتھ کا مُنصف والا مکان تجویز کیا ہے
اِس کا صحن بہت کشادہ ہے - اور کمرے ہوادار ہیں" +

بیگم: "بہت درست - اس مکان کی تعریف سُنی ہے - اُمید ہے وہاں جاتے
ہی صحت ہو جائے گی" +

ڈپٹی: "تو میں اب اُن کو وہاں لئے جاتا ہوں" +

بیگم: "بہت اچھا - اگر خدانخواستہ اُس کو کچھ تکلیف ہو - تو میں بھی آپ کی مدد

Taj Tahir Foundation

کو آجاؤں گی + ہاں کھانا یہیں سے بھیجا جائے گا۔ یا وہیں تیار ہوگا؟

ڈپٹی :- آج تو یہیں سے بھیج دینا۔ پھر دیکھا جائے گا"+

بیگم بے چاری حیران پریشان تنہا بیٹھی رہ گئیں۔ اور ڈپٹی صاحب بیوی کو مع گل جان اور الماس کے دوسرے مکان میں لے گئے + بیگم ہزار حوصلہ مند و جبر پسند تھیں۔ مگر آخر کب تک صبر کی کوئی حد بھی؟ اس وقت ضبط نہ ہو سکا۔ اور کمرے میں فرش پر لیٹ کر دیر تک روتی رہیں + نماز مغرب کے وقت اُٹھیں۔ وہاں کھانا بھجوایا۔ خود نماز پڑھی۔ اور بغیر کھانا کھائے لیٹ گئیں + چھوٹا رحمٰن نئے مکان کی خوشی میں وہیں گیا ہوا تھا۔ اُس نے کھانا بھی وہیں کھایا + آہ! اُس وقت کی حالت کو بیگم سے پُوچھئے۔ ایسی زندگی پر وہ موت کو ترجیح دیتی تھیں کچھ دیر پڑی رہیں۔ پھر اُٹھیں اور کمرے میں ٹہلنے لگیں کبھی بیٹھ جاتیں کبھی ٹہلنے لگتیں + اسی حالت میں ۹ بج گئے۔ تو لڑکا اُدھر سے آگیا +

فضل :- اماں جان! وہ گھر بہت اچھا ہے۔ زرّیں جان تو وہاں جاتے ہی اچھی ہوگئیں + ہاں میاں کہتے تھے۔ کہ اماں جان سے کہہ دینا۔ کہ "آج ہم نہیں آسکتے۔ زرّیں کی طبیعت اچھی نہیں"+

بیگم :- خیر نہیں آئے تو نہ آئیں۔ آؤ تمہارے کپڑے اُتار دوں۔ اور سوؤ"+

فضل :- نہیں اماں جان کپڑے گلاب اُتارے گی۔ بُوٹ بھی اُتارنے ہیں"+

فصل ہشتم

ظلم ایسا کیوں کیا تھا جو ملی ایسی سزا۔
بیکسی کو ہاتھ ملواتا ہے پچھتانا مرا +

یہ کارخانہ قُدرت عجیب ہے۔ ہمیشہ کسی کی یکساں نہیں گزرتی۔ کل کا ذکر ہے۔ کہ ہدایت اللہ کا رنگین گھر بس رہا تھا۔ آبادی بیگم کا دور دورہ تھا۔ عزیز دُلھن کا مزاج آسمان پر تھا عظمت اللہ بے انتہا مغرور تھے۔ اِن سب نے سمجھ رکھا ہوگا۔ کہ اسی طرح گزرے گی۔ مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دو ہی سال کے عرصے میں کچھے کا کچھ ہوگیا +

منشی ہدایت اللہ نے مرض مونیا سے انتقال کیا اب تو سب کو دن میں تارے نظر آ گئے کیونکہ اُنہیں کے دم سے گھر چل رہا تھا۔ کوئی جائداد وغیرہ تو بے چاروں کی تھی ہی نہیں۔ مرحوم محنتی شخص تھا۔ ہاتھ پاؤں مار کر بیس تیس روپے ماہوار کما لیتا تھا۔ لڑکے دونوں ہی اَن پڑھ تھے۔ اور پھر کاہل۔ باپ کے سر روٹیاں توڑتے رہے۔ ہدایت اللہ مرحوم بیس روپے ماہوار پر کسی رئیس کی مختار کاری کرتے تھے۔ اور لڑکے پڑھایا کرتے تھے۔ آٹھ دس روپے مل جاتے تھے۔ آبادی بیگم کی کفایت شعاری سے بخوبی گزارا ہو رہا تھا + اب کیا ہوتا۔ اُن کے مرتے ہی ٹکڑے کو محتاج ہوگئی۔ عزیز دُلھن یہ مصیبت کاہے کو برداشت کرتی۔ وہ اپنے میاں سمیت میکے جا رہیں۔ وہیں ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ مگر اُس دن سے کچھ ایسی بیماری لگ گئی۔ کہ خورشید نے پھر پلنگ سے پاؤں نیچے نہ اُتارا۔ اور خسر کے چھ ماہ

بعد ہی وہ بھی وہیں پہنچیں ؛

اب تو عظمت اللہ کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ سسرال والے بھی حقارت کرنے لگے۔ اور کیوں نہ کرتے۔ جس کے سبب اِن کی قدر تھی۔ جب وہی نہ رہی تو اب ان کا پُورا کرنے سے انہیں کیا واسطہ؟ بیوی کے جہلم کے دِن وہاں سے نکالے گئے ۔ انہیں جو غصّہ آیا ۔ اپنی بیٹی بھی چھین لائے ۔ اب پھر آئے ۔ اُسی ماں کے پاس جس کی عرصے سے خبر بھی نہ لی تھی ۔ کہ کس طرح عمر گُزار رہی ہے ۔ دو جوان بہنیں ۔ ایک نکھٹّو بھائی شفیع اللہ ۔ آخر انہوں نے کسی طرح پیٹ پالا ۔ اور اُس غریب کا تو کچھ پُوچھنا ہی نہیں ۔ جو گھر سے باہر کوڑے گھڑے میں چُوہے کی طرح بند کھنڈر میں پڑی تھی ۔ اتنی مصیبت پڑ گئی ۔ لیکن اب بھی خدا نہ سوجھا ۔ اُسے جا کر بھی نہ دیکھا ۔ اب ماں بہنیں محنت مزدوری کرتیں ۔ اور یہ مزے سے دونوں وقت روٹیاں توڑتے ۔ کچھ دِن اِس طرح بھی گُزرے ۔ قسمت کی خرابی اور ادبار جب آتا ہے ۔ تو سب سامان ویسے ہی ہو جاتے ہیں ۔ عظمت اللہ کو پہلے بخار آیا ۔ پھر جوڑوں میں درد رہنے لگا ۔ مصیبت کی ماری ماں نے قرض دام کر کے بہتیرا علاج کیا ۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا ۔ اور سخت مرض گنٹھیا میں مبتلا ہو گئے ۔ آبادی بیگم سخت گھبرائیں ۔ کہ یہ کیا ہوا ۔ اگر اللہ نہ کرے کچھ ایسی ویسی ہوئی ۔ تو بالکل بے والی رہ جاؤں گی ۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ۔ بے چھان پھٹک آٹھ دن کے اندر اندر ایک جگہ دونوں لڑکیوں کا نکاح کر دیا ۔ دینے لینے کو تو اللہ ہی کا نام تھا ۔ شربت کے پیالے پر عقد ہُوا ۔ اِس فرض سے بھی نجات پائی ۔ اور شکر کیا ۔ اب بیٹے کی تیمارداری اور محنت مزدوری میں مصروف ہو گئیں ؛

صاحبزادے شفیع اللہ صاحب سے یہ مصیبت نہ بھری گئی ۔ وہ ایک دِن

بے اطلاع گھر سے چل دئے۔ نہ معلوم کہاں گئے + اس غم نے بی آبادی کو بھی پلنگ پر ڈال دیا + میاں کی موت اور گھر کی تباہی نے بوڑھا اور ناتوان تو کر ہی دیا تھا۔ جوان بیٹے کی جدائی کے صدمے نے کسی قابل نہ رکھا + دونوں بیماروں پر مکھیاں بھنکنے لگیں۔ کوئی پانی دینے والا بھی نہ تھا + اس وقت دونوں ماں بیٹے دل سے چاہتے تھے۔ کہ زبیدہ خدمت کرنے کو آجائے۔ مگر شرم سے بلا نہ سکتے تھے۔ کس منہ سے بلاتے؟ کھڑکی میں برابر قفل لگا تھا + اللہ رکھے اب تو محمودہ بھی سیانی ہوگئی تھی۔ اُس کو آٹھواں سال تھا۔ اپنے باپ کی بیماری کا حال سُن سُن کر ماں کے ساتھ برابر روتی تھی۔ مگر مجبور تھیں۔ کہ دونوں ماں بیٹیاں جا نہ سکتی تھیں۔ لیکن جب دونوں کی بیماری سُنی۔ تو زبیدہ سے صبر نہ ہوسکا۔ محمودہ کو بھیج کر کھڑکی کھلوائی۔ انہوں نے بھی اِس آڑے وقت میں زبیدہ کا آنا غنیمت جانا + زبیدہ روتی ہوئی آئی۔ اور ان کی حالت دیکھ کر اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی + دونوں ماں بیٹے کے پلنگ ایک دالان میں قریب قریب بچھے تھے + آبادی بیگم اپنا بازو خود ہی دباتی اور روتی جاتی تھیں + عظمت اللہ درد کی تکلیف سے ہائے ہائے کر رہے تھے + زبیدہ پہلے ساس کے اور پھر میاں کے قدموں پر گری۔ بے قصور نے قصور معاف کرایا۔ اب بے کس اور ناچار بڑھیا نے بھی مظلوم بہو کو سینے سے لگایا +

آبادی:- بیٹی اللہ تجھے خوش کرے۔ تیرے میاں کو تندرستی دے۔ ہائے تھکے وقت کا کوئی نہیں ہوتا۔ ہمارے لئے جو تُو ہے۔ کوئی نہیں ہوسکتا خیر جو ہوگیا سو ہوگیا۔ اب تو بھی ہمیں معاف کر +

زبیدہ:- اماں جی! میں تمہاری ویسی ہی تابعدار کنیز ہوں۔ میری بدقسمتی تھی۔

Taj Tahir Foundation

کہ کچھ دنوں کو خدمت سے بھی روک دی گئی تھی۔ اب پھر حاضر ہوں ماشاءاللہ تم
دونوں کو جلدی اچھا کرے۔ بتاؤ تو وہ لڑکی کون ہے؟"

آبادی "ہمیں اپنی جان کا ہوش نہیں۔ بچی کی کون خبر لے۔ وہ دیکھو۔
کھٹولے پر پڑی سو رہی ہے"۔

زبیدہ "ہے ہے اکیلی"؟

آبادی "اکیلی نہ تو اور کس کے پاس ہو؟"
ہم دونوں کی تمام رات بے چینی سے گزرتی ہے۔ اِس لئے اسے الگ
ڈال دیا ہے"۔

زبیدہ نے فوراً لڑکی کو گود میں اُٹھا لیا۔ وہ بھی جاگ پڑی۔ منہ دُھلایا
سُرمہ لگایا۔ اور ساس سے پُوچھا۔ کہ اس کو کیا کھلاؤں؟"

آبادی "کیا بتاؤں؟ رات کا بھی کچھ نہیں۔ اور کھچڑی چاول وہ کھاتی بھی
نہیں۔ ننھیال کی پلی ہوئی ہے۔ دُودھ کی عادت ہے۔ یہاں کا تو خدا
نے سب کچھ لے لیا۔ گائے بھینس سب ہی تھا خبر نہیں کس کم بخت کی
نظر کھا گئی"۔

زبیدہ "اچھا میں دُودھ بازار سے منگائے لیتی ہوں"۔

آبادی "تیرے پاس بھی پیسہ کہاں سے آیا؟"

زبیدہ "اماں جی میرے پاس ایک آنہ ہے۔ آخر گزارہ کرتی ہوں نا۔
کل پڑوسن کا کُرتہ سیا تھا۔ اُس نے چار پیسے دئے تھے"۔ "اصبغت اللہ!
ذرا یہاں آ۔ لے ایک پیسے کا دُودھ جلد لے آ۔ چھوٹی بہن بھوکی ہے۔
ہاں اماں جان۔ بتاؤ تمہارے لئے کیا پکاؤں؟"

آبادی "بیٹی کیا بتاؤں۔ کوئی پیسہ ہو تو کہوں۔ میں جیسی ناچار ہوں۔ خدا

Taj Tahir Foundation

جانتا ہے۔ تمہارے سُسر کے بعد جو کچھ اسباب تھا۔ وہ بک کر اُن کی موت پر لگا۔ بچا بچایا پیسہ ٹکا تو بیماری ہی میں خرچ ہو گیا تھا۔ رہا سہا لگا کر علیمہ خدیجہ کے نکاح کر دئے۔ ایک میرا چاندی کا ہار پڑا رہ گیا تھا۔ جو شفیا نے نکلا۔ آہ! اُس کے جلنے سے تو کلیجہ ہی نکل گیا۔ اب تو بالکل نان چار ٹکڑے کو محتاج ہوں۔ جب تک اچھی تھی محنت مزدوری کر لیتی تھی۔ جس دن سے روگ لگا۔ اُس سے بھی رہی۔ کئی دن سے عظمت اللہ کی دوا بھی بند ہے۔ رحم کر کے کوئی پڑوسن روٹی کھچڑی۔ چاول بھیج دیتی ہے۔ تو کھا لیتے ہیں"۔

زبیدہ "ہے ہے میں صدقے۔ بیماری اور یہ مصیبت۔ خالہ جی بھی کچھ مدد نہیں کرتیں۔ ایسی چاہیتی بہن اور بھانجا بلکہ داماد اس حالت میں ہوں۔ اور وہ خبر نہ لیں۔ نواسی بھی تو ہے۔ علیمہ خدیجہ کی سُسرال تو بھلا غیر ہوئیں۔ اُن پر کوئی افسوس ہی نہیں"۔

آبادی "آہ بیٹی! اِس دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ میری طرف سے تو بہن کا دِل سخت ہو گیا ہے۔ داماد سے یُوں خفا ہو گئیں۔ کہ وہ نواسی کو اُن سے چھین لایا۔ خیر داماد اوّل تو کس کے ہوتے ہیں۔ دُوسرے لڑکیوں کی سُسرال یہاں سے دس کوس پر ہے۔ اور وہ خود غریب زمیندار ہیں۔ بے چاریاں میری کیا مدد کر سکتی ہیں؟"

زبیدہ "خیر خدا کسی سے نہ دِلوائے۔ اللہ انہیں تندرستی دے۔ آپ کمائیں آپ کھائیں۔ میرے پاس تین پیسے باقی ہیں۔ دو کے چاول ایک کی مونگ کی دال منگا کر پکائے لیتی ہوں۔ ذرا سا چنے کا آٹا پڑا ہے۔ نمک ڈال کر اس کی روٹیاں پکا لوں گی۔ دونوں بڑے بچوں کو وہ کھلا دوں گی۔ اور تم دونوں کو کھچڑی۔ پھر کا اللہ مالک ہے۔ دوپہر میں دو کپڑے پڑے ہیں۔

بیوں گی۔ تو شام کے لئے پیسے آ جائیں گے"۔

آخر بُرے وقت میں کام آئی تو زبیدہ۔ اب تو عظمت اللہ کی آنکھیں کھُل گئیں۔ اور وہ اپنے کئے پر پچھتائے۔ زبیدہ کے بے انتہا قدردان اور تابعدار ہو گئے۔ مگر اب تابعداری کس کام کی۔ جب خود اُسی کے محتاج ہو گئے۔ ورنہ جب کسی حالت میں تھے۔ تو دُوسرے کو سکھ دیا۔ مصیبت پڑی تو زبیدہ یاد آئی۔ آہ! یہ دُنیا بُری ہے۔

فصل نہم

وہ رہ کر پاس غیروں کے دِل اپنا شاد کرتے ہیں۔
یہاں ہم نیم بسمل کی طرح فریاد کرتے ہیں۔

جب دو مکان ہوئے اور زرّیں جان اُن دِنوں بیمار تھی۔ اِس لئے ڈپٹی صاحب دُوسرے تیسرے بیگم کی طرف آ جاتے تھے۔ اور زرّیں جان کو صحت ہونے پر یہ قاعدہ مقرر ہوا۔ کہ ایک دن بیگم کی طرف رہتے اور ایک دِن زرّیں جان کی۔ تنخواہ بھی آدھوں آدھ کر دی گئی۔ ڈھائی سَو روپے ماہوار بیگم کو دیا جاتا۔ اور ڈھائی سو زرّیں جان کو۔ بیگم نے شروع ہی میں کہا تھا۔ کہ "یہ مجھ سے بڑھ کر رہے گی"۔ آخر وہی ہوا۔ اُوپر کی آمدنی بھی زرّیں ہی کو ملنے لگی۔ تب تو ڈپٹی صاحب کہتے تھے۔ کہ "یہ کنیز بن کر رہے گی"۔ لیکن پھر خود ہی اس کا درجہ بڑھاتے گئے۔ دو تین مہینے بعد یہ طریق بھی نہ رہا۔ چوتھے پانچویں اِس طرف آنے لگے۔ رفتہ رفتہ اِس میں بھی کمی آئی۔ اب تو

آٹھ آٹھ دِن بھی نہ آتے تھے + بیگم کی طبیعت خراب ہوتی۔ یا بچہ بیمار ہوتا۔ تو اُن کو پروا بھی نہ ہوتی تھی + مگر آفریں ہے بیگم کے حوصلے پر کہ اُن پر ذرا رنج ظاہر نہ کرتی تھیں۔ اور نہ کبھی شکایت کی + دُنیا میں جس عورت کا کہیں ٹھکانا نہیں ہوتا۔ وہ بھی اِس قدر دب کر نہیں رہتی۔ اِن کے تو بفضل خدا آنکھوں پر بٹھانے والے امیر کبیر تین بھائی موجود تھے + مگر اس نے سب مصیبتیں برداشت کیں اور گھر نہ چھوڑا + زرّیں نئی نئی باتیں بنا کر بیگم کے خلاف ڈپٹی صاحب کو سُناتی تھی۔ جس سے اُن کا دِل بیگم کی طرف سے بگڑ گیا۔ بہ سبب لحاظ کے وہ بیگم سے شکایت نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان بے چاری کو معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ مجھ پر کیا کیا بُہتان لگائے گئے +

زرّیں شب و روز اسی کام میں مصروف تھی + ایک دن صبح کے وقت زرّیں سنگھاردان کھولے کنگھی کر رہی تھی۔ گو خدا نے نہایت معمولی شکل دی تھی۔ مگر وہ اپنے حُسن پر بے حد نازاں تھی۔ آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی اور گول تھیں۔ ناک پتلی مگر چھوٹی تھی۔ لب موٹے نہ تھے۔ تو تعریف کے قابل زیادہ باریک بھی نہ تھے۔ دہن اچھا بڑا تھا۔ اور پیشانی کشادہ نہ تھی۔ ہاں رنگ اچھا صاف تھا۔ اور اب سُرخ بھی ہو گیا تھا۔ مگر بیگم سے زیادہ گورا نہ تھا + بیگم کو خدا نے قابلِ تعریف حُسن دیا تھا + اور یہ سُرخی سفیدی کی ملاوٹ سے اپنے کو بنائے رکھتی تھی + ماتھے اور ٹھوڑی پر ایک ایک خال بھی تھا۔ لباس کو سجاوٹ سے پہننا۔ اور چالاکی و ہوشیاری سے باتیں بنانا۔ بس یہ دو گُر تھے۔ جس سے وہ آج ڈپٹن بنی بیٹھی تھی۔ ورنہ محض جاہل تھی۔ اُردو تو کیا قرآن شریف بھی نہ پڑھا تھا + خیر جب چوٹی گُندھ چکی۔ منہ دُھلا۔ پوڈر مَلا۔ اور الماس کو کپڑے نکالنے کا حکم ہوا +

Taj Tamir Foundation

الماس ــ بیوی جی کون سا جوڑا لاؤں؟

زرّیں ــ نارنجی قنا ویز کی شلوار اور آسمانی ریشمی پھول دار قمیص نکال لاؤ۔

الماس ــ اور واسکٹ اور دوپٹہ؟

زرّیں ــ گلابی کریب کا دوپٹہ غسل خانے میں کھونٹی پر پڑا ہے وہ لیتی آنا۔ واسکٹ نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہی سبز مخمل کی واسکٹ جو کرسی پر پڑی ہے۔ پہن لوں گی۔ ابھی میلی تو نہیں ہوئی۔ او گل جان! دیکھ تو ڈپٹی صاحب کہاں ہیں؟

گل جان ــ جی باہر بیٹھے ہیں۔

زرّیں ــ تو دیکھ تو سہی۔ باہر نہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے۔ کہ بیگم کی طرف گئے ہوئے ہوں گے۔ آج آٹھواں دن ہے اُس طرف گئے۔

گل جان ــ نہیں بیوی جی! میں ابھی باہر سے آ رہی ہوں۔ کئی آدمی آئے بیٹھے ہیں۔ میں نے چائے تیار کر کے ابھی بھیجی ہے۔

زرّیں ــ خیر۔ ہاں گل جان! کئی روز سے لڑکا بھی تو نہیں آیا۔ شاید باہر آتا ہو گا۔

گل جان ــ اے نہیں آیا تو نہ آئے۔ چولھے میں جائے۔ خدا تمہیں اپنا بچہ دے۔

زرّیں ــ گل جان ایسی تو کہاں قسمت۔ جب تک زندہ ہیں۔ کھا رہے ہیں۔ پھر تو سب کچھ کا مالک چھوٹا رحمٰن ہی ہو گا۔

گل جان ــ اے ہے بیوی ایسا نہ کہو۔ خدا نہ کرے جو وہ مالک ہو۔ اللہ تمہیں بھی بیٹا دے گا۔

ڈپٹی صاحب آ گئے۔ اور گل جان باورچی خانے میں چلی گئی "۔

یہاں تو یہ رنگ رلیاں ہیں۔ اب ذرا بیگم کا بھی حال دیکھیں "۔

آج صبح سے پڑے پڑے بیگم کو شام ہوگئی۔ جب لڑکا اسکول سے آیا۔ تو اس خیال سے اُٹھ بیٹھیں۔ کہ وہ رنجیدہ دیکھ کر پریشان نہ ہو۔ اُس کے کپڑے بدلے۔ چاء پلائی۔ اور فارسی کا سبق سُنانے کو کہا "۔

ننھا رحمٰن "۔ امّاں جان! مجھے فارسی تو بہت اچھی طرح سے یاد ہے۔ آج سہ ماہی امتحان تھا۔ مجھے فارسی میں سب سے زیادہ نمبر ملے۔ اگر آپ خوشی سے اجازت دیں۔ تو بجائے اس وقت کے رات کو سُنا دوں۔ اب تو میرا دل میاں کے پاس جانے کو کرتا ہے۔ کیا آج وہ آئے تھے۔ اگر وہ ہو گئے ہوں تو میں وہیں چلا جاؤں۔ اور جو نہیں آئے تو نہ جاؤں "۔

بیگم۔ (سرد آہ بھر کر) "اگر نہیں آئے تو کیوں نہ جاؤ؟"

ننھا رحمٰن "۔ اِس لئے کہ شام تک آ جائیں گے "۔

بیگم "۔ میاں! وہ روز تو نہیں آیا کرتے "۔

ننھا رحمٰن "۔ امّاں جان اب تو بہت دِن سے میاں نہیں آئے۔ شاید آج ہی آ جائیں "۔

بیگم "۔ میاں وہ نہیں آئیں گے۔ اگر تمہارا جی چاہتا ہے۔ تو وہیں ہو آؤ۔ لیکن اندر ضرور جانا۔ ورنہ زریں جان اُن سے شکایت کر دے گی۔ کہ میرے پاس نہیں آتا "۔

ننھا رحمٰن "۔ اچھا میں جاتا ہوں۔ میاں سے یہ بھی کہوں گا۔ کہ اتنے دن ہو گئے ہمارے گھر کیوں نہیں آئے؟"

بیگم "۔ اور زریں سے بھی کہہ دینا۔ کہ امّاں کا تم سے ملنے کو دل کرتا ہے۔ کسی

دن فرصت کے وقت ہو جانا"+

لڑکا تو اُدھر گیا۔ اور بیگم اخبار دیکھنے لگیں اتنے میں چمپا ڈاک لائی+

چمپا:- بیگم صاحبہ! آگرہ کا کوئی خط ہو۔ تو خیر سلا مجھے بھی سُنائیں۔ پہلے خط میں لکھا تھا۔ کہ چھوٹی بیگم کی طبیعت خراب ہے"+

بیگم نے اُلٹ پلٹ کر خط دیکھے۔ اور لفافہ پہچان کر سب سے پہلے چھوٹی بہن تمکنت آرا بیگم کا خط کھولا۔ لکھا تھا:-

رشید بلڈنگ آگرہ ۱۹۱۲ء

پیاری باجی!

میں حیران ہوں۔ کہ آپ سے کس طرح خط کا جواب لوں۔ دو ہفتے سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ اس عرصے میں مَیں نے کئی خط لکھے۔ بھائی جان تو خط کا جواب دیتے ہی نہ تھے۔ پیارے رحمٰن نے بھی انہیں کی طرز اختیار کی۔ میرے دو خطوں کا اُس نے جواب نہیں دیا۔ میری پریشانی اور بے چینی کی کوئی حد نہیں رہی+ اس خیال سے اور بھی دِل اُڑا جاتا ہے۔ کہ ضرور آپ کسی سخت فکر و تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ورنہ اپنی تمکنت کو کبھی فکر نہ دیتیں۔ باجی! میں سخت حیران ہوں۔ کہ آپ وہاں بیٹھی کیوں ہیں۔ ہم سب کی جان آدھی ہو رہی ہے آپ کے رنج میں+

ہم نے اور آپ نے بہتیرا اخفا کیا۔ لیکن ایسی خبر بھی کہیں چھپ سکتی ہے۔ تمام حالات آپ کے ہاں کے بھائیوں کو معلوم ہو گئے ہیں۔ اور وہ سخت پریشان اور رنجیدہ ہو رہے ہیں۔ منجھلے بھائی تو کئی بار تیار ہو چکے ہیں آپ کو لانے کے لئے۔ لیکن بڑے بھائی جان نے روک رکھا ہے صرف آپ کے رنج کے خیال سے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ "جب تک پردہ پڑا ہے۔ پڑا ہے جس وقت

ہم نے خبر لی۔ پھر اچھی طرح لیں گے۔ ہماری بہن کی تو زندگی برباد ہو گئی اُن کو بھی آرام سے نہ چھوڑیں گے،، باجی جان! آپ کو معلوم ہے۔ کہ چھوٹا بھائی کس قدر آزاد ہے۔ وہ تو آج یہ کہہ رہا تھا۔ کہ میں پروا نہیں کرتا ہندوستانی جھوٹی شرم کی۔ بھائی جان اجازت دیں۔ تو میں ابھی باجی جان کے مہروں کی نالش کر دوں،، ہم نے بہت مشکل سے سمجھا کر اُس کو ٹھنڈا کیا۔ ورنہ وہ آج ہی پنڈی جانے کو تیار تھا۔

ہائے باجی! جب میں سوچتی ہوں۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ دُنیا سے دِل بیزار ہو گیا ہے۔ میں تو اپنے عزیز و سے بھی اُکتا گئی ہوں۔ بس یہی جی چاہتا ہے۔ کہ مر جاؤں۔ یا کہیں جنگل کو نکل جاؤں۔ سب سے جی بیزار ہے۔ ؎

دُنیا مقام رہنے کے قابل تو ہے اگر۔ بیگانہ ہو نہ اپنا۔ عدو ہو نہ یار ہو۔
گُل ہو نہ برگ خشک ہو بُلبل ہو ور لاغ۔ غم کی نہ ہو خزاں نہ خوشی کی بہار ہو۔
جو ہر نہ ہو نہ عرض۔ نہ کُل ہو نہ جز وِ کُل کون و مکان ہو اور نہ یہ لیل و نہار ہو۔
حد نہ ہو جسم کی۔ نہ کوئی رُوح کی ہو قید۔ مجبور ہو نہ کوئی نہ با اختیار ہو۔
ہُو کا ہو عالم اور نہ کچھ ہو سوائے رنج اور تیر بن کے وہ میرے سینے کے پار ہو۔

اے ہستی تیری سختیاں کب تک سہے بشر۔
میں پیٹ دوں تجھے جو مرا اختیار ہو۔

پیاری باجی! بتاؤ میں کیا کروں؟ جی چاہتا ہے۔ سر پیٹ لوں۔ آہ اب مجھ سے نہیں لکھا جاتا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے۔

اچھی باجی! بس اب آجاؤ۔ اپنے اُوپر اور ہم سب پر رحم کرو۔

پیارے فضل کو پیار۔ اور بس۔ خدا آپ کا مددگار ہو"۔

میں ہوں آپ کی سوختہ دِل
"تمکنت"

بیگم اِس خط کو پڑھتی جاتی تھیں۔ اور آنکھوں سے قطراتِ اشک مثل گوہر آب دار رواں تھے۔ چمپا بھی روئی۔ اور کہا:۔

چمپا:۔ بیگم! اب آپ کو چلنا چاہیئے۔ یہاں رہ کر کیا کرنا ہے۔ جس کے لئے آپ نے یہ مصیبت برداشت کی۔ وہ بھی نہ ہوا۔ سرکار روز بروز اِس طرف سے زیادہ کشیدہ ہوتے جاتے ہیں۔ غضب خدا کا آٹھ آٹھ دِن گزر جائیں۔ اور وہ گھر میں نہ آئیں۔ آپ ہی خیال کریں۔ پردیس میں سوائے اُن کے اور ہمارا کون ہے۔ جب وہ اِس قدر بے پروا ہو گئے۔ تو بھلا کیا ٹھیک۔ یہ پٹھانی ملک۔ جاڑے کی سُنسان راتیں۔ اور یہ تنہائی۔ آپ نے تو پتھر کا دِل کر لیا ہے۔ یہی دیکھو، کہ جس طرف آپ رہتے ہیں۔ اُدھر تین نوکر اور دو چوکیدار ہیں۔ اور ہماری طرف ایک نوکر اور ایک چوکیدار۔ بیگم صاحبہ! اب یہاں کے ظُلم سہنے کے قابل نہیں رہے۔ اور اس کی بھی اللہ ہی سے اُمید ہے۔ کہ اِس چنڈال (زرّیں) کے ہوتے سرکار ہمارے ہوں۔ پھر کیوں آنکھوں دیکھے جی جلاتی ہو؟"

بیگم:۔ آہ چمپا! آخر یہی ہوگا۔ اور کیا ہوگا؟ میں نے ہر چند چاہا۔ کہ زندگی میں یہ گھر نہ چھوٹے۔ بہن بھائی کو ناراض کیا۔ مگر اِس ظالم کی علحدگی پسند نہ کی۔ لیکن کہاں تک؟ میری قسمت مجھے یہاں سے لے ہی جائے گی۔ اگر کوئی بھائی آگیا۔ تو مجھے چھوڑ کر نہ جائے گا"۔

چمپا:۔ چھوٹی بیگم کے خط کا جواب ابھی لکھ دیجئے۔ خدا نہ کرے۔ یہ رنج کہیں

انہیں بیمار ڈال دے"۔

بیگم :- اب تو نماز مغرب قریب ہے۔ شب میں لکھوں گی"۔

بیگم نے نماز پڑھی۔ مگر کھانا نہ کھایا۔ بچہ وہیں سے کھانا کھا آیا تھا آتے ہی سوگیا۔ شام سے بُوندا باندی ہو رہی تھی۔ اچھی بارش ہونے لگی۔ جب لڑکا سوگیا۔ تو بیگم خط لکھنے میز پر گئیں۔ چمپا نے لیمپ لا رکھا۔ وہ کرسی پر سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ لیمپ کی تیز روشنی ان پر پڑ رہی تھی۔ بیگم بناوٹ سے تو ہمیشہ سے گریزاں رہتی تھیں۔ اُن کا مزاج بے انتہا سادگی پسند واقع ہوا تھا۔ لیکن اب تو کچھ حد سے زیادہ سادہ رہنے لگی تھیں۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ جس قدر زریں کو خوب صورتی کے لئے اوچھے پن کے ساتھ بناوٹ کرتے دیکھتی تھیں۔ اُن کا دِل اَور بھی نفرت کرتا جاتا تھا۔ اِس وقت وہ آسمانی مرینے کا غرارہ اور سفید مرینے کی قمیض پہنے ہوئے تھیں۔ اور بادامی کشمیری شال۔ کانوں میں صرف زمرد کا دُر۔ اور ہاتھوں میں ایک ایک کڑا تھا۔ لیکن حُسنِ خداداد کے سامنے بناوٹی حُسن کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اِس سادہ حالت میں بھی اُس سجی بنی۔ زیور سے لدی زریں سے ہزار درجے خُوب صورت معلوم ہو رہی تھیں۔ جب کچھ دیر انہیں اسی طرح بیٹھے گزُر گئی۔ تو چمپا نے پھر خط لکھنے کو کہا۔

چمپا :- بیگم صاحبہ! خط لکھ لیجئے۔ اور اگر اس وقت طبیعت نہیں چاہتی۔ تو آرام کیجئے۔ صبح کو سہی۔ اب تو گیارہ بجنے والے ہوں گے"۔

بیگم۔ (چونک کر) "ہاں لکھتی ہوں کچھ خیال میں نہیں آتا۔ کہ کیا لکھوں"

پھر لکھنا شروع کیا۔

راول پنڈی ۱۹۱۲ء

میں موردِ حرماں ہوں گرفتارِ بلا ہوں۔
گہہ محوِ فغاں ہوں۔ کبھی مصروفِ بکا ہوں +
معلوم نہیں خود مجھے۔ میں کون ہوں کیا ہوں؟
کچھ بول سکے اب نہیں مقدور زباں کا۔
افسانہ کہوں کیا دلِ بے تاب و تواں کا؟
کیا ذکر کروں رنج و غم دردِ نہاں کا +
ہوتا نہیں کم بخت اثر آہ و فغاں کا +
افسوس ہے ہمدرد چُھٹا سوختہ جاں کا +
کچھ ایسے دئے چرخ ستمگار نے چرکے
یک لخت ہوئے قلب و جگر کے کئی ٹکڑے۔
رونے کے سوا کام نہیں ہے کوئی دن بھر +
منظورِ نظر ہو نہیں سکتا کوئی منظر +
تاریک ہے دُنیا مری نظروں میں سراسر۔
کرتا ہے بہت تنگ مجھے یہ دلِ مضطر +
ہے آمد و شد سانس کی چلتا ہُوا خنجر +
بھرتا نظر آتا نہیں زخمِ دلِ مضطر +

تمھاری بدنصیب شکستہ دل باجی

تمکنت آرا کا خط بند کیا۔ اور دُوسرا کاغذ لے کر لکھنے لگیں :-

بوقت بارہ بجے شب

وہ تو آرام سے سو رہتے ہیں راتوں کو مدام + یہ نہیں پُوچھتے ہے نالہ و شیون کیسا؟

رات کے بارہ بج چکے ہیں۔ تمام دُنیا میٹھی نیند سو رہی ہے۔ آہ! مجھے دُنیا سے کیا۔ جب میرا عزیز خواب راحت میں ہے۔ اور یہ خیال بھی نہیں۔ کہ کوئی کس حال میں ہوگا۔ آہ! خیال کیوں ہوتا۔ ؎

سوئیں جو شب کو چین سے اُن کو کسی کی کیا خبر۔
ہجر کے مُبتلا کے ساتھ دردِ جگر نے کیا کیا؟

ہائے یہ سُنسان اندھیری رات ہے۔ اور اکیلے گھر میں وہی بدنصیب جس کا کبھی آپ کو بے انتہا خیال تھا۔ مع ننھے بچے کے تنہا پڑی ہے۔ کوئی پُرسان حال نہیں ہے ؎

شبِ غم کون ترس کھاکے ہے رونے والا۔ کبھی دیتے ہیں ہم دِل کو کبھی دِل ہم کو+
چین آتا نہیں دم بھر کسی پہلو ہم کو۔ اتنی تکلیف اب اے درد نہ دے تُو ہم کو+

ہائے کیسا ناقابلِ برداشت صدمہ ہے۔ اُف کس قدر تعجب خیز بات ہے۔ آہ! ایک ہفتہ گزر گیا۔ آپ کی شکل نہیں دیکھی۔ نہ معلوم ایک بے گُناہ پر اس قدر ظُلم کیوں روا سمجھا گیا۔ اُف میں کس قدر سخت جان ہوں۔ کہ ایسی سختیاں اُٹھا رہی ہوں۔ مگر اب طاقتِ برداشت نہیں۔ اے اللہ اگر اُن کو اِس قدر سنگ دِل کر دیا ہے۔ تو مجھے بھی اتنا ہی حوصلہ دے۔ ؎

سہتے ہی رہیں اُس ستم ایجاد کے صدمے۔
فولاد کا یہ دِل ہو تو پتھر کا جگر ہو+
نالوں میں نہ تاثیر نہ آہوں میں اثر ہو۔
کوئی نہ کہے کچھ اُسے خود میری خبر ہو+
اتنا تو مرے گریۂ فرقت میں اثر ہو۔

Taj Tahir Foundation

دشمن کی بھی آنکھوں سے رواں خونِ جگر ہو۔

ہوں تیرِ حوادث کا میں ہر وقت نشانہ۔

مجھ سا نہ زمانے میں کوئی خستہ جگر ہو۔

میں کہاں تک لکھے جاؤں۔ اور کیوں لکھوں۔ یہ تو شاید پڑھا بھی نہ جائے گا۔ اب مجھے بس کرنا چاہیئے۔ کاش اب مجھے نیند آجائے۔ جو باقی حصہ رات کا ذرا آسانی سے گزر جائے۔ اے میرے رنج و خیالات! تھوڑی دیر کو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ مجھ تنہا کو بالکل تنہا چھوڑ دو۔

اے ہجومِ غم و اندوہ بس اب رخصت ہو۔ دلِ ناشاد مرا خوگرِ تنہائی ہے۔

ظلمتِ شب سے گھٹا جاتا ہے اب دم میرا۔ یاس و حسرت کی مرے سر پہ گھٹا چھائی ہے۔

آپ کی مہجور و شکستہ دل

بدنصیب "سلطنت"

اس خط کو بند کیا۔ اور دروازہ کھول کر باہر کی طرف دیکھنے لگیں۔ بارش نہایت زور سے برس رہی تھی۔ صحن میں اندھیرا اور سناٹا چھا رہا تھا۔ بجلی کے چمکنے سے کبھی کبھی روشنی ہو جاتی تھی۔ چمپا فرش پر میز کے قریب بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ بیگم کو کرسی پر نہ دیکھ کر کہا:۔

چمپا: "آپ اس وقت دروازے میں کیوں کھڑی ہیں؟ کیا باہر جانا ہے؟"

بیگم: "نہیں تو یوں ہی کھڑی ہو گئی۔ دیکھ تو کیسی زور سے بارش ہو رہی ہے۔ بادل کی گرج سے دل دہلا جاتا ہے"۔

چمپا: "آپ وہاں کیوں جا کھڑی ہوئیں۔ آؤ اب آرام کرو۔ ایک بجا ہو گا۔ چھوٹے میاں کے پاس لیٹو۔ کہیں بجلی کی کڑک سے جاگ نہ اُٹھیں"۔

Taj Tahir Foundation

فصل دہم

ہم ترے گھر سے جفا کار چلے جاتے ہیں۔
بے چلے جاتے ہیں۔ ناچار چلے جاتے ہیں۔

بیگم کو ایک سال اِسی طرح گزر گیا۔ ڈپٹی صاحب ان کی طرف سے بالکل بے خبر ہو گئے۔ تین چار دن سے بیگم کی طبیعت اچھی نہ تھی۔ آج تو بخار بہت تیز ہو گیا۔ زکام کی وجہ سے سر میں بھی درد سخت تھا۔ چھ سات دن سے ڈپٹی صاحب ادھر نہ آئے تھے۔ جب اِن کی علالت کی اطلاع ملی۔ تو وہ اودھر آنے لگے۔ ساتھ زرّیں بھی تیار ہو گئیں۔ کہ میں بھی بیگم کو دیکھنے چلتی ہوں۔ شام کے چھ بجے ہوں گے۔ کہ دونوں میاں بیوی آئے۔ بیگم برآمدے میں دُلائی اُوڑھے لیٹی تھیں۔ اور گلاب سر دبا رہی تھی۔ ڈپٹی صاحب تو خاموش کھڑے ہو گئے۔ اور زرّیں طبیعت کا حال دریافت کرنے لگیں۔

زرّیں: "کیوں جی! طبیعت کا کیا حال ہے؟ ہمیں تو ابھی معلوم ہوا۔ کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ چند آدمیوں کے کھانے کا انتظام کرنا تھا۔ مگر سُنتے ہی سب کچھ چھوڑا۔ اور فوراً چلی آئی"۔

بیگم: "مہربانی تمہاری۔ میں اچھی ہوں۔ ریزش کے سبب بخار ہو گیا"۔

ڈپٹی: "ڈاکٹر کو بلواؤں؟"

بیگم: "کوئی ضرورت نہیں۔ یوں ہی معمولی بخار ہے جاتا رہے گا۔ چمپا نے بنفشہ وغیرہ کا جوشاندہ بنایا ہے۔ وہ پی لوں گی"۔

ڈپٹی۔ ہاں ریزش کے لئے وہ بہت مفید ہے"۔

زرّیں۔ "جی نہیں۔ ڈاکٹر کو بلواؤ۔ بیگم کو بخار تیز ہے۔ جوشاندہ کیا کرے گا؟"

بیگم۔ "کچھ تیز نہیں۔ ٹھنڈ کا سبب ہے۔ زکام کو آرام ہوا۔ تو بخار بھی اُتر جائے گا"۔

ڈپٹی۔ "تمہاری مرضی۔ زرّیں تو مجھ سے وہیں کہتی تھیں۔ کہ مِس کو بُلا کے ساتھ لیتے ہی چلو"۔

بیگم۔ "خدا انہیں خوش رکھے۔ میں اِس ہمدردی کی شُکر گزار ہوں"۔

میاں کو اپنی ہمدردی جتانے کے خیال سے زرّیں بیگم کے پیر دبانے بیٹھ گئی۔ ڈپٹی صاحب کرسی پر بیٹھے اخبار دیکھتے رہے یونہی وقت گزر گیا۔ آٹھ بجے تو چمپا نے کھانے کو پوچھا؟

زرّیں۔ (میاں سے) "اِس وقت یہیں کھانا کھالیں؟"

ڈپٹی۔ "کھا تو لوں مگر اُدھر مہمان جو ہیں"۔

زرّیں۔ "اوہو اُن کا خیال نہ رہا۔ اچھا آپ اُدھر جائیں۔ اُمید ہے گُل جان اور الماس بہت اچھی طرح کھانا کھلادیں گی"۔

میاں تو اُدھر گئے۔ چمپا کھانا لائی۔ بیگم سے تو کچھ بھی نہ کھایا گیا۔ زرّیں نے بھی اپنی فکرمندی ظاہر کرنے کو بہت ہی کم کھایا۔ دس بجے تو ڈپٹی صاحب آئے۔ زرّیں اُس وقت زیور اور لباس تبدیل کرنے کمرے میں گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بیگم کے منہ پر سے دُلائی ہٹائی۔ تو ان کو روتے ہوئے دیکھا۔

ڈپٹی۔ "کیوں جی! کیا اِس وقت طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

بیگم۔ (نہایت آہستہ) "نہیں"۔

ڈپٹی۔ "پھر اِس قدر گھبرا کیوں رہی ہو؟"

بیگم "آپ نے کیا گھبراہٹ پائی؟"
ڈپٹی "مجھے تو زیادہ تکلیف میں معلوم ہو رہی ہو"
بیگم "آپ کو۔ اور میری تکلیف معلوم ہوتی ہے؟"
اب ڈپٹی صاحب سے جواب نہ دیا گیا۔ اور فوراً ہی زرّیں کمرے سے نکل آئی۔ اور میاں سے کہنے لگی:۔
زرّیں "اِن کو آج تکلیف ہے۔ اِس واسطے میں آج یہیں رہنا چاہتی ہوں"
ڈپٹی۔ بہت بہتر یہیں دو پلنگ اَور بچھوالو"
زرّیں "کام کرنے کو چمپا۔ گلاب اور میں کافی ہوں گے۔ آپ کی تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ وہیں رہتے تو اچھا تھا۔ مکان اکیلا نہ رہتا"
ڈپٹی "اچھا وہیں سو رہوں گا"
بیگم "زرّیں میں تمہاری اِس محبت اور ہمدردی کی تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ لیکن چونکہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ جس کے لئے رات میں کسی کو بار بار اُٹھنا پڑے۔ میری یہی خواہش ہے۔ کہ تم بھی گھر جا کر آرام کرو۔ جب میری بہت خراب حالت ہوگی۔ تو میں خود تمہیں تکلیف دوں گی۔ اور بُلوا لونگی کیونکہ تمہارے سوا یہاں میرا اَور کوئی خبر گیراں نہیں۔ ابھی سے بے وقت تم تکلیف نہ اُٹھاؤ"
زرّیں "جی نہیں تکلیف کیسی؟ میں آپ کی خدمت کرنا موجب فخر سمجھتی ہوں۔ آج تو میں یہیں رہوں گی"
ڈپٹی صاحب چلے گئے۔ اور زرّیں رات کو یہیں رہی۔ اور نہ صرف اِس رات رہی۔ بلکہ تین چار دن گزارے۔ کیونکہ بیگم کی طبیعت زیادہ

Taj Tahir Foundation

خراب ہوتی جاتی تھی۔ ڈپٹی صاحب بھی دن کو آتے جاتے تھے۔ لیکن زرّیں کے حکم سے رات کو وہیں سوتے۔ ان کی علالت کی خبر آگرے بھی ہوئی۔ وہ سب تو پہلے ہی سے تیار تھے۔ بیماری سنتے ہی بہن اور بھائی نے رشید الملک کو اُن کے لینے کے واسطے بھیج دیا۔ شام کے آٹھ بجے رشید الملک راولپنڈی پہنچے۔ اِس دفعہ ان کے لینے کو ڈپٹی صاحب اسٹیشن بھی نہ گئے۔ اور بیوی کی بیماری کا عُذر کر دیا۔ رشید الملک کو سالی سے بے انتہا محبّت تھی۔ وہ اسٹیشن سے گھر تک نہایت پریشان حال پہنچے۔ بیگم اس وقت بھی لیٹی ہوئی تھیں۔ زرّیں باورچی خانے میں تھیں۔ اور ڈپٹی صاحب دُوسرے مکان میں وہ نہایت گھبرائے ہوئے تیز قدم کمرے میں آئے۔

رشید الملک۔ "آداب عرض۔ افسوس اپنے ہاتھوں آپ نے کیا حال بنالیا؟ بس اب تو اپنے اوپر نہیں۔ ہمارے اوپر رحم کرو۔ اور چلو۔"

بیگم۔ (مسکرا کے) "یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ ملنے کا؟ تم نے آداب کے ساتھ کیا کیا عرض کر ڈالا۔ مزاج پُرسی اسی طرح کرتے ہیں؟"

رشید الملک۔ (بگڑ کر) "باجی جان! آپ کو تو خدا جانے کیا ہوگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ آپ کا دماغ صحیح نہیں رہا۔ سچ ہے۔ بہت سی مصیبت میں انسان پاگل ہوجاتا ہے۔"

بیگم۔ "خیر میں تو جیسی ہوں ویسی ہوں۔ اس وقت تو تم پاگل معلوم ہوتے ہو۔ ارے دیوانے! یہ بھی کوئی انسانیت ہے۔ تم عیادت کو آئے ہو یا لڑنے کو؟ پہلے میری حالت دیکھی ہوتی۔ بیوی سے بھی زیادہ جلد باز ہوگئے۔"

رشید الملک۔ "نہیں جناب میں عیادت کو نہیں آیا لینے کو آیا ہوں۔ اس دوزخ میں جس کو آپ نے بہشت سمجھ رکھا ہے۔ اگر چند روز بھی اَور رہیں۔

Taj Tahir Foundation

تو خاتمہ ہو جائے گا۔ میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھیرنا چاہتا۔ اور نہ اس ظالم سنگ دِل کو دیکھنا۔ صرف رات یہاں کاٹنی چاہتا ہوں۔ صبح چلنے کا بندوبست کریں۔ اور دوپہر کو روانہ ہو جائیں"۔

بیگم :۔ خیر وہ بھی دیکھا جائے گا۔ ایسی جلد بازی و تیز مزاجی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ انسانیت کے ساتھ اُن سب سے ملو۔ وہ بھی جا نہ۔ پانچ روز سے میری خدمت کے لئے یہیں ہے۔ شاید باورچی خانے میں کسی کام کو گئی ہے۔ ادھر آ کر تمہیں سلام کرے گی۔ تو آدمیت سے پیش آنا"۔

رشید الملک :۔ جی نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو وہ۔ مَیں تو اُن کے باپ ڈپٹی صاحب کو بھی سلام نہ کروں"۔

بیگم :۔ ہائیں ہائیں۔ انسان بنو۔ یہ حالت تھی۔ تو تُم ادھر آئے کیوں؟

رشید الملک :۔ آیا ہوں۔ کہ آپ کی بہن مری جاتی ہے۔ اُس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ اور مثل دیوانوں کے حالت بنا رکھی ہے"۔

بیگم :۔ اچھا ہوش سے ایک بات اَور سُنو۔ میرے لے جانے کے لئے نہیں اِس طریق سے نہ کہنا۔ جس سے میرے بھائیوں کی ناراضی کا پتہ چلے۔ یا یہ ثابت ہو۔ کہ تم مجھے ہمیشہ کیلئے لئے جاتے ہو۔ بلکہ صرف یہ کہنا۔ کہ تبدیل آب و ہوا کے لئے لے جاتا ہوں۔ دُوسرے آگرے میں بہ نسبت یہاں کے علاج بھی اچھا ہو جائے گا"۔

یہ کہہ ہی رہی تھیں۔ کہ نذریں جان آ گئی۔ اور نہایت ادب سے رشید الملک کو سلام کیا۔ جس کے جواب میں رشید الملک نے صرف آنکھیں نیچی کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈپٹی صاحب بھی باہر سے آ گئے۔ رشید الملک بھی اپنی ہنٹ کے پکے تھے۔ آتا دیکھ کر بھی تعظیماً کرسی سے نہ اُٹھے۔ اور بہن

کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اُس طرف جُھک گئے۔ گویا اُنہیں خبر ہی نہیں۔ وہ بھی چونکہ لینے کو اسٹیشن پر نہ گئے تھے۔ اِس لئے اُن سے شرمندہ سے تھے۔ اور ایک بات یہ بھی تھی۔ کہ جو ملازم اسٹیشن پر گیا تھا۔ اُسی سے کہلا بھیجا تھا۔ کہ بوجہ فکرمندی کے اسٹیشن پر نہیں آسکے۔ اور اب جو رشید الملک نے آکر دیکھا۔ تو بیگم کے پاس بھی نہ تھے۔ خیر جوں توں شرمندگی کی حالت میں آہستہ قدم اُٹھاتے ان کے قریب پہنچے ؛

ڈپٹی "او ہو بھائی! تم آپہنچے۔ افسوس میں اسٹیشن پر نہ جاسکا"۔

رشید الملک "جناب کوئی افسوس نہیں۔ روشن گُل (ملازم) کہتا تھا۔ کہ سرکار سخت پریشان ہیں۔ اِس لئے نہیں آئے۔ میں نے بھی نہایت تشویش کی حالت میں راستہ طے کیا۔ خیال تھا۔ کہ آپ یہیں بیٹھے ملیں گے۔ مگر جب میں آیا۔ تو ہمشیرہ بالکل تنہا پڑی تھیں۔ لیمپ بھی گل ہوا پڑا تھا۔ خدا جانے گلاب اور چمپا کہاں مرگئیں۔ انہیں بھی ان کا خیال نہیں رہا"۔

ڈپٹی۔ میں ابھی باہر چلا گیا تھا۔ ایک ضروری کام تھا۔ اور خدمت گاریں تو ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ یہ (زرّیں جان) بھی کسی وقت ان کے پاس سے نہیں اُٹھتیں"۔

رشید الملک "بے شک یہ آپ سب کا احسان اور مہربانی ہے۔ مگر میں تو گلاب کو کہتا ہوں۔ بیمار کی خبرگیری سے زیادہ اور کون سا ضروری کام تھا۔ جو وہ تنہا چھوڑ کر چلی گئی"۔

زرّیں "جہاں تک ہو سکتا ہے میں ایک منٹ کو بھی انہیں اکیلا نہیں چھوڑتی۔ میں نے آج کل زیادہ کام کے خیال سے اپنی دونوں نوکرانیوں گُل جان و الماس کو بھی یہیں بُلا لیا ہے"۔

بیگم۔ رات کاٹنے کے لئے" زرین! کھانا منگوالو۔ اب تو نو بج گئے ہوں گے"۔
ڈپٹی ؎ ہاں ہاں کھانا لاؤ۔ میاں رشید جلد کھانے کے عادی ہیں"۔
رشید الملک ؎ میں اس وقت کھانا نہ کھاؤں گا۔ شام کو چائے پی تھی۔ اُسی وقت سے طبیعت پر بوجھ معلوم ہوتا ہے"۔
ڈپٹی ؎ کچھ تھوڑا بہت ضرور کھالو۔ رات کو بغیر کھائے نہیں سونا چاہئے"۔
رشید الملک ؎ مجھے عادت ہے۔ اکثر اسی طرح سو جانے کی"۔
ڈپٹی ؎ اچھا دودھ پی لینا"۔
رشید الملک ؎ خیر دیکھا جائے گا۔ میں تو پی لوں گا۔ لیکن ان کی دوا کی بھی کسی کو فکر ہے؟ کس قدر دیر بعد پلائی جاتی ہے۔ اور کتنی دیر ہوئی پلائے ہوئے؟ مجھے آئے ایک گھنٹہ سے زیادہ عرصہ ہوا ہوگا۔ اس اثنا میں تو پلائی نہیں گئی۔ یونانی علاج ہے یا ڈاکٹری؟"
ڈپٹی ؎ ڈاکٹری علاج ہے۔ میں نے چھ بجے دوا دی تھی پھر شاید انہوں نے دی ہوگی"۔
رشید الملک ؎ باجی جان کس وقت پی تھی؟
بیگم ؎ کچھ یاد نہیں۔ کہ کس وقت پی تھی۔ شیشی دیکھ لو"۔
رشید الملک نے میز سے شیشی اُٹھا کر لیبل دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ دو دو گھنٹے بعد پلائی جاتی ہے۔ اور شیشی میں چار خوراکیں تھیں۔ جس میں سے دو پلائی گئی تھیں۔ اور دو ابھی باقی تھیں۔
رشید الملک نے لیبل پڑھا۔ اور ان دونوں میاں بیوی کو فکر ہوگیا۔ کیونکہ دوا بہت بے توجہی سے دی جا رہی تھی۔
رشید الملک ؎ آپ کہتے ہیں۔ کہ چھ بجے دوا دی تھی۔ اور وہ دو گھنٹے بعد

دی جاتی ہے۔ تو آٹھ بجے تیسری خوراک دینی چاہئے تھی۔ وہ وقت بے پروائی میں گزر گیا۔ اب آٹھ بجے کی خوراک دس بجے ملے گی۔ اور دس بجے کی بارہ بجے۔ اور اُس وقت سب سو رہیں گے۔ اس لئے وہ بھی نہ دی جاسکے گی۔ تو گویا چار خوراکوں میں تین ملیں۔ وہ بھی بے قاعدہ۔ تو اِس طرح کے علاج سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟"

ڈپٹی صاحب خاموش کیا بول سکتے تھے؟ خیر اُسی وقت کھانا آگیا۔ ان کے پاس ہی بیٹھ کر شرمندہ شکل میاں بیوی نے کچھ کھایا۔ اس وقت کھایا بھلا کیا جاتا۔ یہ بھی خیال تھا۔ کہ رشید الملک تو بوجہ فکرمندی ہی نہیں کھاتا۔ اور ہم کھا رہے ہیں اس کے بعد سونے کا انتظام ہونے لگا۔ زرّیں تو روز نہیں سوتی تھی۔ آج میاں کا بستر بھی نہیں کرایا۔ اس خیال سے کہ رشید الملک یہ سمجھیں رو نہیں سوتے ہیں۔

ڈپٹی صاحب اِس تجویز سے بہت خوش ہوئے۔ اور رشید الملک سے دریافت کیا۔

ڈپٹی "میاں رشید تُم کہاں سوؤ گے؟"

رشید الملک "جی کہیں بھی نہیں"۔

ڈپٹی "ہائیں یہ کیا؟ باہر نہ جاؤ۔ تمہارے واسطے بھی یہیں پلنگ بچھوا دیا جائے گا"۔

رشید الملک "نہیں پلنگ کی تکلیف نہ کریں۔ میں کرسی پر پڑ رہوں گا۔ اگر چارپائی پر لیٹا تو نیند آجائے گی۔ اور میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔ کہ یہ دونوں خوراکیں دوا کی پلا سکوں"۔

ڈپٹی۔ "یہ ٹھیک نہیں۔ تُم کل رات بھی نہیں سوئے۔ اور آج بھی بیدار رہے

Taj Tahir Foundation

تو خدانخواستہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ آخر ہم سب بھی یہاں ہیں۔ باری باری سے اُٹھ کر دوا دیتے رہیں گے۔ آؤ تم میرے پاس ہی لیٹ جاؤ"۔

رشید الملک " اچھا لیٹ رہوں گا۔ مگر ابھی تو جی نہیں چاہتا۔ اخبار دیکھنا ہے۔ ۱۲ بجے کی خوراک دے کر اُٹھوں گا"۔

ڈپٹی " اچھا کپڑے اُتارو۔ جب سے آئے ہو اسی طرح بیٹھے ہو"۔

رشید الملک " کپڑے اُتارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سردی ہے"۔

ڈپٹی " بھائی! کوٹ پتلون اُتار دو۔ اور رگ لے لو۔ (بیوی سے) زرّیں بھائی کے واسطے دودھ منگاؤ۔ اور دو رگ لا دو"۔

رشید الملک " جناب اِس وقت تو مہربانی کریں۔ دودھ سے میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔ اور کپڑے بھی نہیں اُتارتا۔ دِقت ہے۔ رگ کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ میں بالکل گرم ہوں"۔

ڈپٹی " بھئی! تم بڑی ضد کرنے لگے ہو۔ اچھا یہ کالر ٹائی ہی کھول دو۔ اِس سے تو گردن کو تکلیف ہوگی"۔

رشید الملک " ہاں کھول دوں گا"۔

گھڑی دیکھی۔ دس بج گئے تھے۔ بہن کو دوا دی۔ پھر اخبار پڑھنے لگے۔ زرّیں تو دیوار کی طرف منہ کر کے چارپائی پر لیٹ رہی۔ اور ڈپٹی صاحب بیچارے کو سخت دِقت کا سامنا ہوا۔ اب تو نہ بیٹھ ہی سکتے تھے۔ اور نہ رشید الملک کو بیٹھا چھوڑ کر اُنہیں لیٹنا ہی مناسب تھا۔ اُنہوں نے بھی ہاتھ میں کتاب لے لی۔ اور کبھی لیٹے۔ کبھی بیٹھے۔ اِسی طرح بارہ بجا دیئے۔ اور جب رشید الملک بہن کو دوا پلا چکے۔ تو انہوں نے زبردستی پکڑ کر کرسی سے اُٹھا لیا۔ اور نہایت اصرار سے لیٹنے کو مجبور کیا۔ خود ہی بوٹ اُتارنے لگے۔ تو رشید الملک نے

Taj Tahir Foundation

پاؤں کھینچ لئے۔ اور نیچے لٹکا کر سو گئے۔ ڈپٹی صاحب کو سخت نیند آرہی تھی۔ زیادہ اصرار نہ کر سکے۔ اور سو گئے + جب انہوں نے دیکھا۔ کہ وہ سو رہے ہیں۔ تو آہستہ سے پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھے + بیگم اس وقت تک جاگ رہی تھیں۔ انہوں نے ان کو اپنے قریب کر کے نہایت آہستہ سے کہا:-

بیگم ''رشید! تم کو کیا ہو گیا ہے؟ تم تو بچوں سے زیادہ ضد کرنے لگے''

رشید الملک ''باجی! آپ کچھ نہ بولیں۔ میرا دل سخت جل رہا ہے۔ یہی شکر کریں۔ کہ میں خاموش ہوں۔ میں نے سخت ضبط کر رکھا ہے۔ میرا دل اُن کے دیکھنے کو نہیں کرتا۔ پاس کیسے لیٹوں؟''

بیگم ''تم نے مجھے ایک اور سخت رنج دے رکھا ہے۔ کھانا نہیں کھایا۔ مجھے بہت افسوس ہے آہ! میرے گھر تمہاری یہ حالت ہو۔ کہ مسافروں کی طرح بیٹھے ہو۔ ابھی کپڑے بھی نہیں اُترے''

رشید الملک ''پیاری باجی! آپ ذرا رنج نہ کریں۔ کھانا نہ کھانے سے مجھے تکلیف نہیں ہوئی۔ بلکہ کھا لینے سے تکلیف ہوتی۔ میرا دل بالکل بھرا ہوا ہے۔ نہ معلوم مجھے کیا ہو گیا ہے۔ طبیعت اس قدر خراب ہے۔ کہ ابھی چل پڑنے کو دل چاہتا ہے''

بیگم ''بھائی! اللہ رکھے ابھی تمہیں بہت عرصہ دُنیا میں رہنا ہے۔ غم و غصے کو ضبط کرنے اور مصیبت برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اس قدر کم حوصلگی اچھی نہیں + اچھا مجھے تھوڑا پانی دو۔ حلق خشک ہو گیا''

رشید الملک نے بہت جلد دُودھ انگیٹھی پر گرم کر کے پلا دیا۔ اور پھر وہیں بیٹھ گئے۔ یونہی صبح ہو گئی۔ ڈپٹی صاحب اور زرّیں بھی اُٹھ بیٹھے۔ اس شرمندگی کی وجہ سے مزاج پُرسی نہ کر سکے۔ کہ پچھلی رات میں بالکل خبر نہ لی تھی۔ رشید الملک

بھی بالکل خاموش رہے۔ جب چائے آئی۔ تو ڈپٹی صاحب نے کہا:۔

ڈپٹی ''بھئی! تم نے تو اب تک منہ بھی نہیں دھویا۔ بس اُٹھو۔ چائے ٹھنڈی ہوتی ہے''۔

رشید الملک ''مجھے منہ دھونے کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ تمام رات بیٹھا ہی رہا ہوں۔ سونے کے بعد منہ دھونا ضروری معلوم ہوتا ہے''۔

ڈپٹی ''اچھا تو لو چائے پیو''۔

رشید الملک ''میں تو ابھی پی چکا ہوں ہمشیرہ کو دیا تھا۔ تو اُس وقت مجھے بھی پیاس معلوم ہوئی تھی۔ خیر آپ بنا دیجئے۔ لڑکا کب آئے گا؟ روشن گل کہتا تھا۔ کہ اُس کو کوئی صاحب لوشہرہ لے گئے ہیں''۔

ڈپٹی ''جی ہاں۔ میرے ایک دوست تین دن ہوئے اپنے ساتھ لے گئے ہیں''۔

رشید الملک ''آج آجائے گا؟ چونکہ میں جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ اس لئے آج دن میں اُس کا آجانا ضروری ہے''۔

ڈپٹی ''وہ ابھی دس بجے آجائے گا۔ اور تم اس قدر جلد کیسے جا سکتے ہو۔ ذرا ان کو آرام ہونے دو۔ ایسی حالت میں ان کو چھوڑ کر کس طرح دل چاہے گا؟''

رشید الملک ''چونکہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ اسی واسطے میں جانے کی جلدی کرتا ہوں۔ تبدیل آب وہوا اور تبدیل علاج ان کے لئے مفید ہوگا۔ اس واسطے جہاں تک جلد ممکن ہو۔ آگرے پہنچانا چاہیئے۔ تاکہ کمزوری نہ بڑھنے پائے''۔

ڈپٹی ’’ کیا تم ان کو بھی ہمراہ لے جانا چاہتے ہو؟‘‘

رشید الملک ’’جی ہاں میں آیا اسی واسطے ہوں۔ بلکہ تاکیداً بھیجا گیا ہوں کالج کھلنے میں صرف چار دن باقی ہیں۔ میں کسی طرح نہ آسکتا تھا۔ لیکن بھائی حامد علی صاحب نے نہایت اصرار سے مجبور کیا۔ یہاں آنے پر۔ ہمشیرہ کی علالت کی خبر سے وہ سب سخت پریشان ہیں۔ بھائی صاحب نے بہت تاکید کردی ہے۔ جلد واپس ہونے کی۔ اور میرے پاس وقت بھی نہیں۔ پرسوں علی گڑھ پہنچنا ہے۔ اس واسطے میں آج شب ہی روانہ ہوں گا‘‘۔

ڈپٹی ’’اس قدر جلدی میرے خیال میں مناسب نہیں۔ یہ بہت کمزور ہیں۔ اگر چند دن بعد جائیں تو انہیں بھی طاقت آجائے گی۔ اور میں بھی رخصت کا انتظام کر کے ساتھ چلوں گا‘‘۔

رشید الملک ’’جب صحت ہوگئی۔ تو پھر جانے ہی کی کیا ضرورت ہے وہ تو صرف علاج کے واسطے وہاں بلاتے ہیں‘‘۔

ڈپٹی ’’پھر اس قدر جلد مجھے رخصت نہ مل سکے گی میں آج کس طرح ساتھ چل سکوں گا‘‘۔

رشید الملک ۔آپ کو تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جو ساتھ ہوں۔

ڈپٹی ’’اچھا تمہاری مرضی۔ جس میں انہیں صحت ہو۔ مجھے وہ منظور ہے۔

غرض کہ یہی صلاح ٹھیری۔ کہ رات کے ۱۲ بجے آگرے روانہ ہوں۔ دس بجے لڑکا بھی آگیا۔ بیگم بیچاری سے تو اُٹھا ہی نہ جاتا تھا۔ اور اب گھر کی جدائی اور ہمیشہ کی جدائی کے خیال نے تو اور بھی نڈھال کر دیا جس قدر ہو سکا۔

گلاب و چمپا نے اسباب درست کر لیا۔ بہت ہی مختصر سا سامان ساتھ لیا۔ صرف پہننے کے کپڑے اور زیور۔ باقی سب یہیں پر چھوڑا ٭

بیگم گو ہمیشہ کے لئے یہاں سے جا رہی تھیں۔ کیونکہ پھر یہاں آنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ڈپٹی صاحب کی طرف سے بالکل ناامیدی تھی۔ لیکن پھر بھی سوائے نہایت ضروری چیزوں کے اور کوئی چیز اس خیال سے ساتھ نہ لی۔ کہ زریں کہے گی کہ گھر خالی کر گئیں۔ اور دونوں میاں بیوی یہ خیال کریں گے۔ کہ واپس نہ آنے کے لئے گئی ہیں ٭

چونکہ رات کے جاگے ہوئے تھے۔ رشید الملک گیارہ بجے سو گئے۔ کھانے کے وقت بہت جگایا۔ مگر نہ اٹھے۔ اور اسی طرح شام کی چائے بھی ٹال دی ٭ لیٹے لیٹے پنسل کاغذ لے کر بیگم نے کچھ لکھا۔ اور رات کے گیارہ بجے اسٹیشن پر چلیں ٭ اس وقت زریں نے ایک اور چالبازی دکھائی۔ سوار ہوتے وقت بیگم سے مل کر خوب روئیں۔ اور جب ان کی گاڑی روانہ ہوئی تو شکر کا کلمہ پڑھا۔ اب اکیلا گھر تھا۔ اور یہ حکمراں۔ وہ سب اسٹیشن پر پہنچے۔ ڈپٹی صاحب نے بیگم کو ویٹنگ روم میں صوفے پر لٹایا۔ اور خود بھی وہیں بیٹھ گئے ٭ رشید الملک ٹکٹ لینے باہر گئے ٭ اس وقت بیگم کے دل کی کیفیت کا اندازہ مشکل تھا۔ حسرت و مایوسی کی گھٹا ان پر چھا رہی تھی۔ گھر کی جدائی کے صدموں سے دل ناتواں پگھلا جا رہا تھا۔ بہت ضبط کرنا چاہتی تھیں۔ مگر نہ ہو سکتا تھا۔ منہ رومال سے ڈھک لیا۔ اور رونے لگیں ٭ ڈپٹی صاحب کی بھی اس وقت عجیب کیفیت تھی۔ بیمار بیوی کو بھیجنے اور خود ساتھ نہ چلنے سے شرمندہ ہو رہے تھے۔ چند منٹ خاموشی کے بعد آخر شرماتے ہوئے خود ہی بولے:-

ڈپٹی۔ "اِس قدر جلد تمہارا جانا ہو گیا۔ کہ میں ساتھ نہ جا سکا۔ میں سخت پریشان ہوں۔ جاتے ہی اپنی خیریت کا تار بھیجنا۔ اور میں بھی کوشش کر کے بہت جلد پہنچوں گا"

بیگم کچھ جواب نہ دینے پائی تھیں۔ کہ رشید الملک نے اطلاع دی۔ کہ گاڑی آ گئی ہے۔ چلئے۔ ڈپٹی صاحب نے بیگم کو پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا۔ اور رشید الملک فضل الرحمن کو لے کر آ بیٹھے + چونکہ سیکنڈ کا پورا درجہ لیا تھا گلاب و چمپا بھی یہیں بیٹھیں۔ ٹرین چل پڑی۔ اور ڈپٹی صاحب خدا حافظ کہتے ہوئے اُتر آئے۔ گھر پہنچے تو منشی نے ایک بند لفافہ دیا۔ جس کو وہ باہر ہی پڑھنے لگے:۔

رُقعہ

رخصت اے صاحب من ہم تو سفر کرتے ہیں۔

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں +

آہ! یہ کیا آفت ہے مجھے اپنی زندگی میں اس کے آنے کی اُمید نہ تھی میں تو یہی سمجھتی تھی۔ کہ سوائے موت کے اَور کوئی مجھے اِس گھر سے جدا نہیں کر سکتا۔ مگر آہ میرا خیال غلط نکلا۔ مجھ پر وہ گزری۔ کہ خدا میرے دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ میں گھر سے جاتی ہوں۔ اور کس حالت میں جاتی ہوں۔ اور کس نے بخوشی جانے کی اجازت دے دی ہے؟ اِن خیالات سے دِل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ میں ایک بار پیشتر بھی علاج کے لئے آگرے گئی تھی۔ تو آپ تین ماہ کی رخصت حاصل کر کے میرے ساتھ گئے تھے۔ میرے بھائی لینے آئے تھے۔ اور آپ نے اپنے بغیر مجھے نہ جانے دیا تھا۔ اور آج چھوٹے رشید کے صرف ایک بار

کہنے سے آپ نے مجھے اُس کے حوالے کر دیا۔ کیوں نہ کرتے۔ میں ایک بوجھ تھی۔ جو سر سے اُتر گیا۔ آہ مجھے اس وقت موت کیوں نہ آگئی؟ جس وقت آپ نے مجھ سے بے پروائی اختیار کی۔ اِس ڈیڑھ سال کے عرصے میں جو جو ظلم و ستم مجھ پر ہوئے۔ میں نے نہایت صبر سے برداشت کئے۔ اور آپ کے رُوبرو حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔ مگر افسوس کہ آپ کشیدہ ہی ہوتے گئے۔ بلا میرا کوئی قصور ثابت کئے۔ مجھے ارمان رہا۔ کہ کبھی تو کچھ کہیں۔ مگر آپ نے ایک دِن بھی میری شکایت مجھ سے نہ کی۔ جس سے میں معلوم کر سکتی۔ کہ یہ بات آپ کو ناگوار گزری ہے۔ اور یہ میں بخوبی جانتی ہوں۔ کہ میرے خلاف بہت کچھ آپ کے گوش گزار ہوا ہوگا۔ جس سے آپ کا دِل مکدر ہو گیا۔ خیر جس طرح بھی تھا۔ میں ابھی اَور گزارتی۔ لیکن بیماری نے فیصلہ کر دیا۔ اور اب اُمید ہے۔ کہ آپ سے رخصت کے بعد بہت جلد اِسی علالت میں دُنیا ہی سے رخصت ہو جاؤں گی۔ اور میں اسی لئے اس وقت یہ عریضہ لکھ رہی ہوں۔ نہ بیٹھ سکتی ہوں نہ قلم پکڑا جاتا ہے۔ مگر چونکہ آپ سے بات کرنے کا وقت ملنے کی اُمید نہیں۔ اِس لئے چند سطریں لکھنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ میں بیمار ہوں۔ اور اِس دفعہ کی علالت میں میرے دِل کا زور کچھ اِس قدر گھٹا ہوا ہے۔ جس سے مجھے اپنے صحت پانے کی اُمید نہیں۔ اِس خیال سے نہایت عاجزی سے التجا ہے کہ آپ کے دِل میں میری جانب سے جس قدر بھی رنج اور افسوس ہے لِللہ مجھ پر رحم کر کے وہ ہٹا دیں۔ اور مجھ بدنصیب کو بالکل بے قصور سمجھیں۔ دُوسرے یہ کہ جب میری موت کی اطلاع ملے۔ تو صرف دو دِن کو آگرے میں چلے آنا۔ ؎

تم جنازے پر ہمارے آ کے رو لینا ضرور۔

دشمنوں کو بعد مرنے کے نہ ہنسوانا ہمیں۔

تاکہ زمانے پر ظاہر نہ ہو۔ کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ اور ایک اِس خیال سے بھی اُس وقت آپ کا ہونا ضروری جانتی ہوں۔ کہ میرے نازوں کے پالے بچّے کا بہت بُرا حال ہوگا۔ اُس کو اِس وقت گھر سے جانے کا بھی بہت رنج ہے۔ ورنہ بچّے سفر سے بہت خوش ہوا کرتے ہیں۔ تو جس وقت میں بھی نہ ہوئی۔ اس کا کیا حال ہوگا؟ اگر آپ پہنچ جائیں گے۔ تو وہ ذرا سنبھل جائے گا۔ اور پھر شاید یہ جھگڑا ہو۔ کہ آپ اُس کو اپنے ہمراہ پنڈی لانا چاہیں گے۔ اور اس کے ماموں اپنے پاس رکھنا۔ تو میری یہ خواہش ہے۔ کہ آپ یہ جھگڑا ہی نہ کریں اور اپنے بچّے کو "ظہور وارڈ" علی گڑھ میں بھیج دیں۔ بس یہ میری آخری خواہش ہے۔ ورنہ اَور تمام تمنّاؤں اَور آرزوؤں کو جو آپ سے وابستہ تھیں۔ عرصے سے دل میں دفن کر چکی ہوں۔ ؎

افسوس دفن ہو گئے ارمان سب مرے۔
وہ آرزوئے دل کا بنا ہے مزارِ دل۔

آہ چھ بج گئے ؎

ہوتا ہے دم بدم میں فزوں انتشارِ دل۔
چھپتی ہے مجھ سے صورتِ صبر و قرارِ دل۔

ہائے اِس گھر میں صرف چند گھنٹے کی مہمان ہوں۔ ؎

وقت رخصت کا مرے جوں جوں قریب آتا ہے۔
دِل مرا پہلو میں خُوں ہو کے بہا جاتا ہے۔

آپ کی مُسافر و منتظر اجل
بدنصیب سلطنت

Taj Tahir Foundation

خط ختم کر کے جیب میں رکھ لیا۔ اور تھوڑی دیر کو سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے + آخر دس ۱۰ سالہ رفیق تھی۔ کچھ تو خیال ہونا چاہیئے تھا۔ مگر کیسا خیال اور کس کی محبت۔ گل جان بلا کر لے گئی۔ انار جا کر سب بھول گئے + بڑی خوشی سے زندگی گزرنے لگی۔ زرّیں نے سب کچھ بھلا دیا۔ بیگم کے بعد تو دن عید رات شب برات ہو گئی + آگرے جانا تو کیا۔ کبھی بیگم کے بلانے کا بھی خیال نہ آیا خدا سمجھے ایسے سنگ دلوں سے +

فصل یازدہم

یہی جی چاہتا ہے منہ چھپا کر روئیے پہروں۔
طبیعت خود بخود ایسی مری مغموم رہتی ہے +

آگرے پہنچ کر بیگم کی بیماری نے بہت زور پکڑا۔ دو ۲ ماہ سخت بیمار رہیں۔ ان کے بھائیوں نے علاج میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آگرے میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈاکٹر موجود تھے۔ اور بھائیوں کے دلوں میں بہن کی بے انتہا محبّت و قدر۔ لیکن قسمت میں جس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ وہ پہنچ کر رہتی ہے۔ باوجود اِس قدر علاج کے آٹھ دس ہفتے بیگم نے سخت تکلیف اُٹھائی۔ مگر اس کے بعد سے افاقہ ہونے لگا۔ اور رفتہ رفتہ ایک ماہ میں تندرستوں کی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہوئیں۔ لیکن کمزور بہت ہو گئی تھیں۔ مگر آفریں ہے ڈپٹی صاحب کے دِل پر۔ کہ آنا تو آنا۔ خط تک بھی نہ بھیجا + یہاں پہنچ کر رشیدالملک نے فضل الرحمٰن کی طرف سے تار دے دیا۔ پھر کسی نے کچھ

Taj Tahir Foundation

نہ لکھا۔ پنڈی سے بھی فضل الرحمن کی طرف تار آئے۔ اور جب جواب نہ گیا۔ تو اُدھر سے بھی خاموشی ہو گئی + جب بیگم کی طبیعت کچھ درست ہو گئی + تو اُنہوں نے خود دو ایک خط لکھے۔ لیکن جواب نہ پا کر وہ بھی خاموش ہو گئیں + بہن بھاوجیں اِن کا دل بہلانے اور خوش رکھنے کا بہت خیال رکھتی تھیں + اکثر اوقات دونوں بھائی اِن کے ساتھ شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ باغوں میں سیر کرنے لے جاتے تھے۔ اِن کی بیویاں اکثر سہیلیوں کو ہر وقت گھر میں جمع رکھتی تھیں +

میاں رشید الملک کا دل بھی اب علی گڑھ نہ لگتا تھا + وہ بھی ایک ایک دو دو دن کے لئے بہت جلد جلد آتے رہتے تھے۔ مگر اُس رنجیدہ دِل کو تو خدا ہی خوش کر سکتا تھا۔ تاہم ان سب کو خوش کرنے کے خیال سے وہ ظاہرا خوش رہتی تھیں۔ تمکنت آرا نے تو اپنے گھر رہنا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ جس دن سے بہن آئی تھیں۔ وہ بھی یہیں تھیں۔ اور رشید الملک بھی آتے تو یہیں ٹھہرتے تھے + ایک دِن کا ذکر ہے۔ صبح کے چار بجے ہونگے۔ سب ابھی اپنے اپنے بستروں میں سو رہے تھے۔ تمکنت بھی باجی کے کمرے میں سوتی تھیں۔ یہ تو ابھی نہ اُٹھی تھیں۔ لیکن بیگم کی آنکھ کھُل گئی تھی۔ اور اُنہوں نے رسالہ مخزن ہاتھ میں لے لیا۔ کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا +

سلطنت آرا: گلاب۔ گلاب دیکھنا کون ہے۔ دروازہ کھولو۔ اب تو دِن ہو گا" +

آواز: جلد کھولئے۔ دِن نہیں۔ میں ہوں" +

سلطنت آرا: ارے رشید آ گئے۔ تمکنت! اُٹھو۔ دروازہ کھولو۔ گلاب تو

Taj Tahir Foundation

جاگتی ہی نہیں"۔

آواز:۔ خدا کے واسطے جلد کھولئے۔ میں سردی سے کانپ رہا ہوں"۔

اب تو ان سے نہ لیٹا گیا۔ اور فوراً جا کر دروازہ کھول دیا۔ اور رشید الملک اندر داخل ہوئے۔ اور سلام کے بعد کہا:۔

رشید الملک:۔ دیکھئے باجی! مثل برف کے میرے ہاتھ سرد ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اوور کوٹ پہنے ہوں۔ لیکن ایسا ہی تمام جسم سرد ہے"۔

انہوں نے جلدی سے رگ میں لپیٹ کر بھائی کو پلنگ پر بٹھا لیا۔ اور اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر گرم کرنے لگیں۔ اور گلاب نے انگیٹھی گرم کی۔ گھر میں ان کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ اور مامائیں ناشتہ تیار کرنے لگیں۔ اور چھوٹے بھائی محمود علی تو ان کی خبر سُنتے ہی بغیر منہ دھوئے کمبل اوڑھے کمرے سے نکل آئے۔ اور چھوٹی بہن تمکنت آرا کے پاس آکر لیٹ رہے۔ تھوڑی دیر میں یکے بعد دیگرے سب ہی جمع ہو گئے۔ اور چائے اسی جگہ پی۔ اثناء گفتگو میں رشید الملک نے کہا:۔

رشید الملک:۔ باجی ایک عرض ہے۔ اگر منظور ہو"۔

محمود علی:۔ کہئے منظور ہو گی"۔

رشید الملک:۔ آپ سے تو نہیں کہتا۔ باجی کہیں"۔

سلطنت آرا:۔ کہو تو سہی"۔

رشید الملک:۔ آپ نے تو ابھی وہ مکان نہیں دیکھا"۔

سلطنت آرا:۔ کونسا مکان؟

رشید الملک۔ (آہستہ) "تمکنت منزل"۔

سلطنت آرا:۔ تمکنت منزل کہاں ہے۔ مجھے تو کسی نے نہیں دکھائی؟"

Taj Tahir Foundation

یہ سُنا ہے۔ کہ تم نے رشید منزل تعمیر کرائی ہے"۔

رشید الملک "اُسی کو کہتا ہوں۔ شاید آپ نے تو نہیں دیکھی"۔

سلطنت آرا "افسوس کہ میں اب تک نہیں دیکھ سکی۔ تین ماہ تو بیماری میں گزر گئے۔ اب جانا ہی چاہتی تھی۔ مگر تمہارا انتظار تھا۔ کہ آجاؤ۔ اور خود ہی دکھاؤ۔ سُنا ہے۔ بہت خوشنما عمارت ہے"۔

رشید الملک "تو آج تشریف لے چلئے نا۔ اور بھابی صاحبان بھی تکلیف کریں"۔

بیگم حامد علی "بہت اچھا۔ سب چلیں گے"۔

محمود علی "تو گھر خالی کر جائیں گی۔ ہمارا جی گھبرائے گا"۔

سلطنت آرا "تم بھی ساتھ چلنا"۔

بیگم محمد علی "نہیں بھائی ہم نہ جائیں گے۔ کوئی ہماری دعوت تھوڑا ہی ہے۔ ہمیں طفیلیوں میں جانا پسند نہیں"۔

بیگم حامد علی "کیوں دُلھن! تم دعوت نہیں لے چلیں؟ کوٹھی کے افتتاحی جلسے میں تو تمہیں کارکُن تھیں۔ اب باجی جان کی دعوت ہے۔ تمہیں بھی اِس خوشی میں شریک ہونا چاہیئے"۔

مسٹر حامد علی "بھئی ہماری طرف سے اجازت ہے۔ سب کو لے جائیے۔ آگے ہمشیرہ کی رائے"۔

اتنا کہہ کر بڑے بھائی تو چلے گئے۔ اب تو رشید کی زبان کھلی۔ چونکہ وہ بڑے بھائی کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ اِس لئے بہت ڈر ڈر کر بول رہے تھے۔ منجھلے بھائی مسٹر محمد علی اِس وقت یہاں موجود نہ تھے۔ اور محمود علی بیچارے کی کسی کو پروا نہ تھی۔ کیونکہ تمکنت آرا اور رشید الملک دونوں سے

چھوٹا تھا۔ اور باوجود اس کم سنی میں عقل مند و آزاد خیال ہونے کے مزاج میں ذرا بچپن بھی تھا۔

سلطنت آرا:۔ میں خوشی سے اسی وقت چلنے کو تیار ہوں۔ اس سے زیادہ میرے لئے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ کہ اپنے پیارے ننھے بھائی رشید کا اپنا بنایا ہوا مکان دیکھوں"۔

رشید الملک۔ (افسردگی سے) "آہ پوری خوشی تو تب ہوتی"۔

اتنا کہا اور خاموش ہو گئے۔ میاں سے یہ سن کر تمکنت آرا آبدیدہ ہو گئیں۔ اور خیال بدلنے کے لئے بیگم محمود علی نے کہا:۔

بیگم محمود علی:۔ "ہاں تو بھائی جان مجھے بھی لے چلئے گا؟"

رشید الملک:۔ "ہاں تمہارا لے جانا تو بہت ضروری ہے۔ چونکہ مکان اکیلا ہے۔ میاں محمود گھر رہیں گے"۔

محمود علی:۔ "نہیں جناب! میں آپ سب سے پہلے پہنچوں گا"۔

محمود علی نے ایسا ہی کیا۔ فوراً اپنے کمرے میں جا کپڑے پہن اور بائیسکل پر سوار ہو رشید منزل پہنچے۔ پھر رشید الملک نے کہا:۔

رشید الملک:۔ "باجی جان! فٹن تیار کراؤں؟"

سلطنت آرا:۔ "بہت اچھا"۔

بیگم حامد علی:۔ "تو کیا سب کو اسی وقت لے چلو گے؟"

رشید الملک:۔ "جی ہاں"۔

بیگم حامد علی:۔ "میرے خیال میں یہ بہتر ہوتا۔ کہ باجی جان اور بہن تمکنت اب چلی جائیں۔ اور ہم سہ پہر کو آتے"۔

تمکنت آرا:۔ "بھائی جان! میرا ارادہ ہے۔ کہ آج شام کو ایک بڑا کھانا

کردوں۔ اس لئے صبح ہی میرا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ خانساماں وغیرہ میری مرضی کے موافق انتظام نہ کریں گے"۔

بیگم حامد علی:- اسی لئے تو کہتی ہوں۔ کہ تم ابھی جاؤ۔ اور رات کے کھانے کا انتظام کرلو۔ دوپہر کا کھانا یہاں سے چلا جائیگا۔ کیونکہ اس قدر جلد وہاں پہنچ کر تیار کرانے میں دقت ہوگی۔ نو تو اب بج گئے۔ اگر تمہاری یہی خوشی ہے۔ کہ سب ساتھ چلیں۔ تو بہت بہتر۔ ہم بھی تیار ہیں۔ کھانا پیچھے بی مُغلانی بھیج دیں گی"۔

رشید الملک:- بھابی جان اب کھانے وغیرہ کے حکم دینے میں بہیں دیر کریں گی۔ وہیں خانساماں تیار کرلیتا"۔

بیگم حامد علی:- مجھے حکم نہیں دینا۔ کھانا پک رہا ہے۔ صرف دُلھنوں کو کپڑے بدلنے ہیں"۔

تمکنت آرا:- اور آپ نہ بدلیں گی؟

بیگم حامد علی:- کاہے کے لئے۔ یہی اچھے ہیں (دیورانیوں سے) اُٹھو جلدی۔ دونوں تیار ہو آؤ"۔

تمکنت آرا:- نہیں بھابی جان! آپ بھی کپڑے بدل ڈالیں۔ ورنہ ایک جوڑا ساتھ لے لیں۔ ویسے تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن چند ملنے والیاں شام کو آئیں گی۔ یہ خیال ہے"۔

تمکنت کے کہنے سے تینوں بھاوجوں نے سنگھار کیا۔ اور باجی کا جوڑا چُپکے سے نکال کر تمکنت آرا نے ساتھ لے لیا۔ ٹھیک دس بجے یہاں سے روانہ ہو کر گیارہ بجے گاڑیاں رشید منزل پہنچیں۔ کیونکہ ان کی کوٹھی شہر سے باہر بہت فاصلے پر تھی۔ پھاٹک پر میاں محمود علی کھڑے تھے۔ انہیں

Taj Tahir Foundation

دیکھتے ہی زور سے کہا:۔

محمود:۔ "ویلکم ویلکم"۔

پھر یہ دونوں بھائی اُتروا کر سب کو اندر لے گئے۔ رشید الملک نے تو اپنی باجی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سب سے پہلے گول کمرے میں لائے۔ اور آرام کرسی پر بٹھا دیا۔

سلطنت آرا:۔ "میں بیٹھنی نہیں۔ چلو میرے ساتھ اور اپنا ہر ایک کمرہ دکھاؤ"۔

وہ کھڑے ہو گئے۔ اور ساتھ ساتھ پھر کر دکھانے لگے۔ باجی ہر ایک چیز کی تعریف کرتی رہیں۔ بیچ بیچ میں مذاق کرتی اور چھیڑتی بھی جاتی تھیں۔ مثلاً ڈائننگ روم میں پہنچیں۔ تو پوچھا۔ کہ "بھائی! یہ کمرہ کس کام کا ہے؟ اتنی بڑی میز پر کیا کرتے ہیں؟" پھر باتھ روم میں گئیں۔ تو واش ٹیبل کو دیکھ کر کہنے لگیں:۔ "یہ کیا سامان ہے۔ اتنے بڑے جگ سے کیا کام لیتے ہو؟ دودھ کے لئے تو مناسب نہیں۔" وغیرہ۔ وہ ہنستے جاتے تھے۔ اور نہایت خوشی سے ایسے ہی مذاقیہ جواب دیتے تھے۔ مگر دل اس وقت اِن دونوں میاں بیوی کے نہایت افسردہ تھے۔ ڈپٹی صاحب کا اِس موقع پر موجود نہ ہونا انہیں بُری طرح ستا رہا تھا۔ لیکن بہن کے رنج کے خیال سے منہ سے کچھ نہ نکالتے تھے۔ جب ان کا یہ حال تھا۔ تو اُس برباد شدہ کی طبیعت پر جو گزرتی ہوگی۔ اُس کو سوائے خدا کے کون جان سکتا ہے۔ اور یہ تو قدرتی طور پر طبیعت انسانی کا خاصہ ہے۔ کہ رنج اور خوشی کے موقع پر اپنا بچھڑا ہوا عزیز بہت یاد آتا ہے۔ خواہ زندہ جدا ہو گیا ہو۔ یا مرگے۔ مگر بیگم نے اِس خیال سے ذرا اپنی رنجیدہ حالت ان پر ظاہر نہ ہونے دی۔ کہ ان

Taj Tahir Foundation

لوگوں کی خوشی میں کمی آئے گی +

یہ ابھی دیکھ بھال ہی رہے تھے۔ کہ حامد منزل سے کھانا آگیا۔ اور تمکنت آرا نے خود جاکر پری چہرہ (کنیز) سے میز پر چنوایا + سب نے مل کر کھایا۔ اس کے بعد رات کو کھانے کی بابت مشورہ ہوا۔ بیگم محمود علی نے دعوتی رقعے لکھے۔ اور کھانے کا انتظام کیا + چار بجے کے قریب سب نے منہ ہاتھ دھوکر بال وغیرہ درست کئے۔ اور تمکنت آرا نے بہن کو بھی کپڑے بدلوائے۔ عنابی کمخواب کا غرارہ اور سبز مخمل کی قمیص پہنائی۔ اور سب نے تو باریک دوپٹے اوڑھے۔ مگر کمزوری کے خیال سے انہیں سلمہ ستارے کی کام دار شال اڑھائی۔ اور خود بیگم رشید الملک صاحبہ نے آتشی گلابی رنگ کی بڑی بیش قیمت بنارسی ساڑھی باندھی +

چھ بجے سے مہمان بیگمات اور لیڈیز آنی شروع ہوگئیں + بیگم محمود علی برآمدے میں ان سب کا استقبال کرتی تھیں۔ اور ڈائننگ روم میں بیگم رشید الملک صاحبہ سے تعارف کراتی تھیں + سات بجے تو ڈائننگ روم میں سب جمع ہوگئے۔ چونکہ مسٹر محمود و رشید الملک کو کھانے پر شریک رکھنا تھا۔ اس واسطے غیر بیگمات مدعو نہ کی گئی تھیں۔ بس ہندوستانی بیگمات تو رشتہ دار ہی تھیں۔ باقی پندرہ بیس یورپین لیڈیز تھیں۔ سات بجے سے ۹ بجے تک کھانا ختم ہوا۔ پھر سب بات چیت کے علاوہ باجے وغیرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور سب سے پہلے تمکنت آرا سے فرمایش کی گئی +

بیگم رشید الملک :- مجھے تو آج معاف ہی رکھا جاتا تو مہربانی ہوتی "+

خورشید طلعت :- نہیں جناب! آج آپ معاف نہ رکھی جاسکیں گی "+

مس جانسن :- مسز رشید الملک! آپ چونکہ صاحب خانہ ہیں۔ آپ کو

اپنے مہمانوں کی ہر طرح کی خاطر کرنا فرض ہے"۔

فلک آرا: "ہاں یہ بھی تو دعوت ہی میں شمار ہوگا"۔

بیگم رشید الملک: "مجھے آپ سب کی خاطر بسر و چشم منظور لیکن مجبور ہوں کہ اِس وقت کچھ بھی یاد نہیں۔ میرے عوض میری چھوٹی بھاوج آپ کی فرمایش کو پورا کریں گی۔ دُلھن ذرا اُٹھو تو"۔

بیگم محمود: "بہت خوب۔ لیکن اِس بات کا اقرار کرو۔ کہ بہن مہر طلعت جب نکتہ چینی کریں۔ اور مجھے چھیڑیں۔ تو آپ ان کو روکیں گی۔ کیونکہ ان کی عادت ہے۔ ایسے موقع پر مجھے چھیڑنے کی"۔

بیگم رشید: "اطمینان رکھو۔ وہ آج کچھ نہ کہیں گی"۔

مہر طلعت: "لیجئے بھابی صاحبہ! میں اپنی زبان بند کئے لیتی ہوں"۔

بیگم محمود اپنی جگہ سے اُٹھ کر باجے پر جا بیٹھیں۔ اور شروع کیا:-

بیگم محمود۔ ؎

درد دِل گاہ۔ تو گہ دردِ جگر ہوتا ہے۔ تیرا بیمار اِدھر ہے۔ نہ اُدھر ہوتا ہے۔
دل میں پھر حسرت و ارماں کا گزر ہوتا ہے۔ لو پھر آباد یہ اُجڑا ہوا گھر ہوتا ہے۔

مہر طلعت: "سبحان اللہ کیا کہنا"۔

بیگم رشید۔ (اشارے سے) "خاموش"۔

بیگم محمود۔ ؎

کیجئے بزم میں غیروں سے اشارے نہ حضور۔
ٹکڑے ٹکڑے انہیں باتوں سے جگر ہوتا ہے۔

بیگم رشید: "خدا نہ کرے"۔

بیگم محمود۔ (تمکنت آرا کو دیکھ کر) ؎

دل پریشاں ہے مرا تُم جو مخاطب ہو اُدھر
سچ کہا ہے۔ کہ محبّت میں اثر ہوتا ہے ۔

بیگم رشید "بُرا نہ مانو ہیں کسی سے مخاطب نہیں ہوں۔ (پھر مہر طلعت سے نہایت آہستہ) بیچاری کو گھبراہٹ ہے۔ کہ کہیں تم کچھ بول نہ پڑو"۔

بیگم محمود۔ ع

کون ہے آپ کا شاکی ذرا معلوم کریں۔ | کِس کے نالوں سے جہاں زیر و زبر ہوتا ہے ۔
وہ چمکتے ہیں ستارے بھی چراغوں کی طرح۔ | تُم سے رخصت کوئی اب خستہ جگر ہوتا ہے ۔

اور اپنی نند تمکنت آرا کو دیکھ کر۔ ع

رخصت اب آپ سے یہ خستہ جگر ہوتا ہے

اِس مصرع کو دُہرا کر فوراً ہی کھڑی ہو گئیں ۔

مہر طلعت "کیا گھر چلنے لگیں"؟

بیگم رشید "جاتی کہاں ہیں۔ ابھی تو آپ کی گوہر افشانی ہوگی۔ پھر سب ساتھ ہی چلیں گے"۔

مہر طلعت "اچھا تو مجھ پر یہ بار پڑتا ہے۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ کہ کیا کہوں گی"؟

بیگم محمود "ہم تو آج ضرور سُنیں گے۔ خواہ کسی کو گالیاں ہی دے ڈالو"۔

مہر طلعت "اِس وقت سب بڑے ہی موجود ہیں۔ مجھ سے ایک آپ ہی چھوٹی ہیں۔ اِس کے لئے بھی آپ ہی کو تیار رہنا پڑے گا۔ اچھا سُنئے"۔

باجے پر۔ ع

کہیں گے آج کیا ہم۔ تم سنو گے کیا لگی دل کی؟
ابھی رہنے دو بس ہم نے کہی۔ تم نے سُنی دل کی

بیگم محمود کی طرف اشارہ کرکے ؎

نشانہ تیرِ مژگاں کا بنایا کس لئے ظالم　　قصور آخر کوئی دِل کا خطا آخر کوئی دل کی
سُنا دے ان بُتانِ سنگدل کو داستاں ساری　　حقیقت جانتا ہے تو ہی اپنے رازِ نہاں دل کی

بیگم محمود۔ "ہاں ہاں سُنا دے، ہم ضرور سُنیں گے"۔

مہر طلعت۔ ؎

اگر قطع و برید اپنی زبان و لب کی تم چاہو۔
تو سُن لو داستاں تھوڑی بہت اے رازداں دل کی +

بیگم محمود۔ "کہئے کہئے۔ میرا سینہ رازہائے دوستاں کا گنجینہ ہے"۔

مہر طلعت۔ ؎

نہ کہہ جاؤں کہیں ناگفتنی میں باتوں باتوں میں۔
نہ کھلواؤ زباں میری۔ نہ پُوچھو داستاں دل کی +

یہ شعر ختم کیا اور ہنستی ہوئی وہاں سے بیگم رشید کے پاس آ بیٹھیں +

بیگم رشید۔ "ہم منتظر ہی رہے۔ آپ نے کچھ بھی نہ سُنایا"۔

مہر طلعت۔ "اب آپ کی باری ہے۔ مجھے تو اسی قدر یاد تھا"۔

بیگم رشید۔ "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں۔ کہ مجھے آج رہنے دو۔ میرا دل بالکل نہیں چاہتا۔ اور کچھ یاد نہیں"۔

مِس ولیم۔ "بھئی! ہم تو ضرور آپ سے کچھ سُنیں گے۔ خواہ رات کتنی ہی آجائے"۔

خورشید طلعت۔ "بھابی جان! بھلا ہم آپ کو چھوڑ سکتے ہیں؟"

رشید الملک۔ "صاحبان! آپ ان کو مجبور نہ کریں۔ میں جو حاضر ہوں۔ اور صاحب خانہ کا تابعدار ہونے کی وجہ سے آپ سب کی خاطر کرنا میرا بھی فرض ہے۔ اگر اجازت ہو۔ تو میں بیگم رشید کے عوض آپ کی فرمایش پوری

Taj Tahir Foundation

کروں"۔

مِس الیگزنڈر:۔ اوہو۔ بہت شوق سے۔ ہم تو سُننا مانگتے ہیں صاحبِ خانہ ہوں۔ یا اُن کے فرماں بردار"۔

مہر طلعت:۔ مگر بھائی جان! باجی صاحبہ کی طرح باریک آواز نہ رکھنا۔ ہم بھاری آواز نہ سُنیں گے"۔

رشید الملک:۔ تمہیں سُناتا ہی کون ہے؟ میں تو مس جانسن اور مسٹر بلانشی (مس الگزنڈر) کی خوشی پُوری کرتا ہوں"۔

مہر طلعت:۔ اچھا تو میں کمرے سے چلی جاؤں۔ یا کانوں پر ہاتھ رکھ لوں؟ رشید الملک نے کہا:۔ جو جی چاہے کرو"۔ اور خود اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان سب سے بہت دُور کونے میں جو پیانو رکھا تھا۔ وہاں جا بیٹھے۔

مہر طلعت بیگم رشید الملک کی چچا زاد بہن چنچل مزاج لڑکی تھی۔ وہ وہاں بھی اُن کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ رشید الملک اس وقت کچھ بہت ہی افسردہ دل تھے۔

گو مہمانوں کی خوشی کے خیال سے ہنستے بولتے رہے۔ لیکن باجی کے رنج کا کانٹا ان کے دل ہی میں کھٹک رہا تھا۔ مہر کو ہٹا کر بجانا شروع کیا۔ شعر بھی یاد آئے تو یہ ؎

گُل بھی وُہی ہیں موسمِ گُل کی ہوا وہی۔ ہے شاہدِ بہار کی دِل کش ادا وہی

اٹھکھیلیاں وہی ہیں نسیمِ بہار کی چلتی ہے جھوم جھوم کے بادِ صبا وہی۔

بُلبل ہے اب بھی شاخِ چمن پر ترانہ سنج۔ قُمری کنارِ جُو ہے ترانہ سرا وہی۔

اب بھی وہی پپیہے کے نالوں میں ہے اثر۔ اور "پی کہاں" کا نالہ ہے سوزش فزا وہی۔

مہر طلعت:۔ یہ کیا رونا لے بیٹھے؟"

خورشید طلعت "تو بہ چُپ بھی کرو"۔
بیگم محمود "جیسا آج کا دن ہو رہا ہے ویسے ہی شعر بھی نکالے ہیں۔ تمہاری سی خوش دلی کوئی کہاں سے لائے"۔
سلطنت آرا "ہاں بھائی! پُورا کرو۔ انہیں بکنے دو"۔
رشید الملک۔ ع

اُٹھتی جگر میں ہُوک ہے کوئل کی کُوک سے۔
نالے وہی ہیں درد بھری ہے صدا وہی +
سامان سارے اگلے سے موجود ہیں۔ مگر۔
دل جس کو ڈھونڈتا ہے نہیں بے وفا وہی +

مکرر۔ ع

سامان سارے اگلے سے موجود ہیں۔ مگر۔
دل جس کو ڈھونڈتا ہے۔ نہیں بے وفا وہی +

اس شعر پر سب ہی آبدیدہ ہوگئے۔ اور رشید الملک تو دوبارہ ادا کرتے ہی فوراً کمرے سے باہر چلے گئے۔ اب رات بھی زیادہ آگئی تھی۔ مہمان رخصت ہوئے +

چونکہ رشید الملک کو صبح ہی علی گڑھ چلا جانا تھا۔ اس لئے سب ہی حامد منزل آگئے۔ اور باقی حصّہ رات کا رشید الملک نے باجی سے باتیں کرکے گزار دیا۔ اور صبح علی گڑھ روانہ ہوئے۔ سلطنت آرا بیگم ان سب کی بے انتہا خاطر و محبّت کے خیال سے دل پر جبر کرکے بولتی چالتی رہتی تھیں۔ مگر دل یہی چاہتا تھا کہ بالکل تنہائی ہو۔ اور دل کھول کر رونا +

فصل دوازدہم

ایسی پڑی کہ آپ بھی حیران ہو گئے۔
اپنے کئے پہ خود ہی پشیمان ہو گئے +

صبح کے دس بجے ہوں گے۔ کمرے میں ڈپٹی صاحب پلنگ پر پڑے ہیں۔ ابھی ڈاکٹر صاحب دیکھ کر باہر گئے ہیں۔ اُن کے نکلتے ہی زرّین جان دُوسرے کمرے سے نکل آئی۔ اور پلنگ کے قریب کرسی کر کے بیٹھ گئی ڈپٹی صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا:۔

زرّین جان:۔ "کیوں میاں جی! آج ڈاکٹر صاحب کیا کہتے تھے؟ زخم کی کیا حالت ہے؟"

ڈپٹی:۔ وہی حالت ہے۔ ڈاکٹر بیچارہ خود پریشان ہے۔ دو ماہ ہو گئے۔ کچھ آرام نہیں ہوتا + آج وہ کہتے تھے۔ کہ تین ماہ کی رخصت اَور حاصل کر کے علاج کے لئے لاہور چلے جاؤ۔ میں حیران ہوں۔ کہ لاہور کس طرح جاؤں؟ گھر کا کیا بندوبست کروں۔ اور روپے کا کیا انتظام ہو۔ کتنا عرصہ ہوا پلنگ پر پڑے + اب اس قدر کہاں سے آئے۔ کہ تمہیں بھی دُوں۔ گھر کے لئے۔ اور علاج کے لئے سیکڑوں روپیہ ماہوار چاہیئے"

زرّین جان:۔ "تمہارا روپیہ کچھ بنک میں جمع نہیں ہے۔ آخر چودہ پندرہ سال سے نوکری کر رہے ہو"

ڈپٹی:۔ بے شک بنک میں کچھ روپیہ ہے۔ لیکن اُس پر مجھے کچھ اختیار نہیں۔ پہلے میرے پاس جس قدر تھا۔ وہ شادی پر خرچ ہوا۔ اس کے

بعد بیگم نے میری دس سالہ رفاقت کے عرصے میں اخراجات خانگی سے قریب دس ہزار کے پس انداز کیا۔ جو برخوردار فضل الرحمٰن کے نام جمع ہے۔ جس سے مجھے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اس عرصے میں کچھ بچ ہی نہ سکا۔ تعجب ہے۔ کہ اب اخراجات خانگی کیوں اس قدر بڑھ گئے ہیں + گذشتہ دس سال میں تو بیگم صاحبہ نے دس ہزار بچالیا۔ حالانکہ تب میری تنخواہ بھی کم تھی۔ شروع میں تو ڈھائی سو ہی تھے۔ پھر چار سو ہو گئے تھے۔ اور اب تو پانسو ہیں + اتفاق کی بات ہے۔ کہ جس سال تنخواہ بڑھی۔ اُسی سال تم آئیں ''۔

زرین جان۔ (چیں بہ جبیں ہو کر) ''بے شک تنخواہ تو بڑھی لیکن میرے ہاتھ میں تو پانسو صرف دو ہی مہینے آئے۔ پھر آپ کی بیگم صاحبہ تشریف لے آئیں۔ اور تنخواہ آدھی آدھی ہو گئی ''۔

ڈپٹی ''تنخواہ آدھی ہو گئی۔ تو خرچ بھی تو آدھا ہو گیا تھا۔ اور یہ حساب شاید دس گیارہ ماہ ہی رہا۔ اب سال بھر سے سب کچھ تمہیں ہی ملتا ہے۔ اس عرصے میں آگرے تو میں نے ایک پیسہ بھی نہیں بھیجا۔ ورنہ پہلے جب وہ وہاں جایا کرتی تھیں۔ تو میں صرف پچاس روپے اپنے گزارے کے لئے رکھ کر باقی اُن کو بھیج دیا کرتا تھا۔ اب تو حیران ہوں۔ کہ کیا ہوتا ہے۔ پُورا ہی نہیں پڑتا ''۔

زرین۔ (بہت بگڑ کر) ''تو اب میں کچھ کر ڈالتی ہوں ''۔

ڈپٹی ''میں یہ تو نہیں کہتا۔ کوئی بیوی بھی اپنا نقصان کرنا چاہتی ہے ؟ لیکن اخراجات خانگی کا پُورا کرنا تو واجبی ہوتا ہے۔ آج کل کچھ اخراجات ہی ایسے بڑھ گئے ہیں۔ کہ گزر نہیں ہوتی ''۔

زرّیں: میاں جی خدا شاہد ہے۔ اور مجھے آپ ہی کی قسم جو جھوٹ کہوں۔ نہ تو میں بے پروائی سے فضول خرچی کرتی ہوں۔ نہ کچھ بچاتی ہوں۔ اور آپ سے بچا کر کہاں لے جاؤں گی۔ اولاد بھی تو خدا نے نہیں دی۔ جس کے لئے طمع ہو۔ کاش اِس وقت میرے پاس کچھ جمع ہوتا۔ جو نکال کر قدموں پر رکھ دیتی"۔

ڈپٹی: توبہ۔ توبہ۔ تمہارے بھی کیسے خیالات ہیں۔ بھلا میں تم پر ایسا شُبہ کر سکتا ہوں۔ اِسی خیال سے میں نے کہا تھا۔ کہ اگر اس وقت تمہارے پاس کچھ جمع ہوتا۔ تو یہ حیرانی نہ ہوتی۔ کیونکہ میری کوئی جائداد تو ہے ہی نہیں جو تھی یہی ملازمت تھی۔ اب کئی مہینے سے بے کار پڑا ہوں۔ اور ابھی نہ معلوم کب تک کام کرنے کے قابل ہوں۔ کیونکہ زخم کی ردّی حالت ہے۔ یہاں کے ڈاکٹروں کو بھی تشویش ہے۔ اور فوراً اب لاہور جانے کی صلاح دیتے ہیں۔ اگر آگرے والے مجھ سے ناراض نہ ہوتے۔ اور پھر یہ مصیبت پڑتی تو کچھ پروا نہ تھی۔ آرام سے دن کٹ جاتے + یا خیر بیگم ہی یہاں ہوتیں۔ تو تب بھی اِس قدر فکر نہ ہوتی۔ وہ ہر طرح ہماری مدد کرتیں۔ اب تو ان سب سے سخت شرمندہ ہوں۔ کسی سے مدد نہیں مانگ سکتا"۔

زرّیں جان: اب بھی تم اتنی فکر نہ کرو۔ خدا مالک ہے۔ اللہ وہ وقت نہ لائے۔ کہ ہمیں کسی سے مدد مانگنی پڑے + میرا زیور موجود ہے۔ اِس کو فروخت کریں۔ تین چار ہزار روپیہ مل ہی جائے گا + علاج کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے"۔

ڈپٹی: میری زندگی میں خدا وہ وقت نہ لائے۔ کہ تمہارا زیور فروخت ہو"۔

Taj Tahir Foundation

گل جان۔ (باہر سے آکر) سرکار تحصیلدار صاحب آئے ہیں۔ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں"۔

زرّیں۔ توبہ دیکھنے والے کسی وقت دم ہی نہیں لیتے۔ ایک جاتا ہے۔ ایک آتا ہے"۔

ڈپٹی۔ خیر اِس وقت تو پردہ کر لو۔ وہ ضرور دیکھیں گے"۔

زرّیں دُوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ اور یہاں تحصیلدار صاحب آگئے۔ بارہ بجے وہ گئے۔ تو بیوی نے آکر ڈپٹی صاحب کو یخنی پلائی۔ چار بجے سے انہیں بخار ہو جایا کرتا تھا۔ جو رات میں کم ہوتا تھا۔ صبح کے چند گھنٹے اچھے گزرتے تھے۔ لیکن زخم کی تکلیف برابر رہتی تھی۔ بیچارے سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ جو روپیہ آتا تھا۔ وہ دس دن میں بیوی کے ہاتھوں اُڑ جاتا تھا۔ اِس فکر میں تھے۔ کہ کہیں سے قرض لے کر لاہور جائیں۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ جب کہ گیارہ بج چکے تھے۔ زرّیں اور گل جان دُوسرے کمرے میں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہی تھیں۔

گل جان۔ میں دیر سے یہاں بیٹھی ہوں۔ تم کیا کر رہی تھیں؟

زرّیں۔ ان کا سر دبا رہی تھی۔ جب دیکھ لیا۔ کہ سو گئے۔ تو الماس کو اُن کے پاس بٹھا کر یہاں چلی آئی ہوں۔ ہاں بتاؤ تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ تم نے کچھ سوچا بھی؟ روز بروز اُن کی جو حالت ہے۔ وہ تم دیکھ ہی رہی ہو مجھے امید نہیں۔ کہ اب یہ جلد اچھے ہوں۔ اور پھر کمانے لگیں۔ ڈاکٹر بھی گھبرا گئے ہیں۔ اور علاج کے لئے ان کا لاہور جانا ٹھیرا ہے۔ سوائے میرے زیور کے اَور ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں۔ اب یہی مناسب اور ضروری ہے۔ کہ میں اپنا زیور علاج کے لئے اُن کے حوالے کروں۔ یہ کیسی

طرح نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ حیران ہوں۔ اور گھر میں زیور رکھا ہے + کوئی دن جاتا ہے۔ کہ مجبور ہو کر وہ مجھ سے زیور مانگ لیں گے۔ تو پھر میں کیا کروں گی"؛

گل جان۔ (نہایت آہستہ) تو پھر ان کا کام ہی نہ تمام کر دیا جائے۔ بیوی مال سے پیاری تو کوئی چیز نہیں"؛

زرّیں۔ اے کاہے کو وہ خود ہی پڑے ہیں۔ مرے کو اور مار کر کیا لینا ہے۔ پھر کہیں ہم بھی نہ بندھے بندھے پھریں۔ یہاں سے اپنا چھٹکارا ہی نہ کریں؟ یہ تو اب ہونا نہیں۔ کہ ڈپٹی صاحب اچھے ہو کر ویسے ہی کمائیں اور ہمارے لئے کچھ بنائیں۔ پھر کیوں مُفت کی مصیبت اُٹھائیں۔ میرے حال پر خدا کی مہربانی تھی۔ کہ چور بھی آئے۔ اور میرا ذرا نقصان نہ ہوا۔ میں نے یہ چاہا تھا۔ کہ چوروں پر لگا دوں گی۔ اور زیور یہیں غائب کر دیا جائے گا۔ مگر ایسا بھی نہ ہو سکا۔ کہ زیور کا صندوقچہ انہیں کے کمرے کی الماری میں تھا۔ اور چوروں کے بھاگنے کے بعد ان کے منشی نے رکھا پایا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب جو کرنا ہے۔ جلد کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ سخت لاچار ہیں + اور شام میں نے اپنے کانوں سے یہ سُنا۔ کہ منشی ان کو صلاح دے رہا تھا۔ کہ بیوی جی کا زیور لے کر علاج کے لئے لاہور چلو۔ تندرست ہو گئے۔ تو خدا ہزاروں اور دے گا۔" میرے زیور کی اب خیر نہیں۔ پس کوئی ایسی ترکیب کرو۔ کہ ہم دونوں روپوش ہو جائیں + الماس کو تو یہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنے گھر چلی جائے گی۔ اور تم میری جان کے ساتھ ہو۔ جہاں سے خود کھاؤں گی۔ تمہیں بھی کھلاؤں گی + میرے پاس اِس وقت سات آٹھ ہزار کا اندوختہ ہے۔ پانچ ہزار کا تو زیور ہی ہو گا۔ اور کوئی دو ہزار نقد ہے۔ کچھ ان کے چاندی کے برتن ہیں۔ خیر اِس گھر سے

میری قسمت میں اتنا ہی لکھا ہوگا۔ اپنی جان ہے تو جہان ہے۔ اِن کے پیچھے تو مجھے دشمن مار ڈالیں گے"۔

گل جان ؛۔ توبہ بیوی۔ اب تمہارا یہاں ایک دم کے لئے گزارہ نہیں۔ کیا ممکن ہے۔ کہ ڈپٹی صاحب کے سالوں کے گھر ہندوستان میں تمہارا گزارہ ہو جائے؟ ہاں یہ ہے۔ کہ چند روز یہاں ٹھیریں تو یہ چار کوڑیاں بھی ہاتھ سے گنواؤ گی۔ اور اس گھر سے نکلنا تو سر پر ہے۔ آج نہیں تو کل"۔

زرّیں جان ؛۔ توبہ بھلا میری وہاں گور کہاں؟ وہی بات ہو گی کہ" چلی چلی کہاں چلی۔ سوت کے بیوسال"؟ بیگم کے میکے میرا کیا کام۔ وہ تو اگر ڈپٹی صاحب کے باوا ابھی زندہ ہوتے۔ تو ان کے بعد میں یہاں گزارہ نہ کر سکتی"۔

گل جان ؛۔ بس تو جلدی کرو۔ خدا نہ کرے۔ کہیں ایسا ہی نہ ہو۔ کہ منشی کے کہنے سُننے سے وہ زیور لے لیں"۔

زرّیں جان ؛۔ ہاں مجھے خود جلدی ہے۔ اچھا تو میں ابھی سب چیزیں دیکھ بھال لوں + ایسے میں وہ سو رہے ہیں۔ اُٹھو تم بھی اپنا کپڑا لتّا دیکھ لو"۔

ناظرین! اِس تجویز پر جب عمل در آمد ہوا ہوگا۔ تو بیچارے ڈپٹی صاحب پر کیا گزری ہوگی۔ اور انہیں حالت ناتوانی میں کس قدر حیرانی و پشیمانی اور ہوئی ہوگی"۔

فصل سیزدہم

میری حیات کا گُل کاش اب چراغ ہوتا۔
ان کاہشوں سے حاصل مجھ کو فراغ ہوتا+

بیگم محمود علی "نہیں معلوم کیا سبب ہے۔ باجی جان صبح سے سخت پریشان ومغموم ہیں۔ آج خلاف معمول کمرے سے باہر نہیں آئیں"+

محمود۔ (افسردگی سے) "پریشانی کیسی۔ میں نے اس وقت ان کو روتے دیکھا ہے۔ میرا دل بہت بے چین ہے۔ مجھ سے وہ کچھ نہ کہتیں اس لئے کچھ دریافت نہ کیا۔ اور ادھر آگیا۔ تم باجی تمکنت کو بلاؤ تو معلوم ہو"+

بیگم محمود "یہ خوب۔ او گلچہرہ! ذرا چھوٹی باجی جان کو بلا لا"+

محمود علی "چلو ہم ہی جو ان کے کمرے میں چلیں۔ چنانچہ یہ دونوں میاں بیوی تمکنت آرا کے پاس آئے۔ اور یہ ذکر کیا+

تمکنت آرا "میں تو چائے کے بعد سے اُن کے پاس گئی نہیں۔ اور اُس وقت وہ کچھ زیادہ پریشان نہ تھیں"+

محمود علی "چائے پر تو ہنس بول رہی تھیں۔ یہ تو کوئی دس منٹ کا ذکر ہے۔ ابھی چنبیلی نے ڈاک لا کر دی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ اس وقت کوئی پریشان کُن خط آیا ہے۔ آپ ابھی ان کے پاس جائیں اور معلوم کریں۔ چونکہ دونوں بھائی جان گھر پر موجود نہیں۔ اس لئے مجھے زیادہ تردّد ہے"+

تمکنت آرا "لو میں ابھی جاتی ہوں"+ اور بہن کے کمرے میں آئیں۔ وہ اس وقت حالت اضطراب میں ٹہل رہی تھیں۔ اور آنکھوں سے رومال

لگا تھا۔ تمکنت یہ نقشہ دیکھ کر بے قرار ہو گئیں۔ اور گھبراہٹ سے کہا:۔

تمکنت آرا۔ "پیاری باجی خدا کے لئے کچھ مجھ سے بھی کہو۔ میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ آپ کا محمود بھی بے چین ہے۔ اللہ ہم پر رحم کرے"۔

سلطنت آرا۔ "آہ! تمکنت کیا کہوں۔ کاش خدا مجھے اس دن کو دنیا میں نہ رکھتا۔ وہ بے چارے بے کس و بے بس پڑے ہیں"۔

تمکنت۔ (گھبرا کر) "میرے بھائی جان تندرست تو ہیں؟ کئی ماہ سے اُن کی کوئی خبر نہ ملی تھی۔ کیا کوئی خط آیا ہے؟"

سلطنت آرا۔ "وہ تکیہ پر منشی کا خط پڑا ہے۔ پڑھ لو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس وقت کیا کروں؟ دونوں بڑے بھائی گھر نہیں ہیں۔ اور محمود بچہ ہے۔ خدا کرے رشید الملک آج ہی الہ آباد سے آجائیں۔ تو کچھ کروں"۔

تمکنت نے خط اُٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔

خط

از راولپنڈی مورخہ...... ۱۹۲۳ء

بخدمت عالیہ جناب بیگم صاحبہ دام اقبالہا

پس از آداب غُلامانہ عرض پرداز ہوں۔ کہ کل سے ہم لوگ ایک سخت مصیبت میں گرفتار رہیں۔ میں نے عرصہ دو ماہ سے خدمت عالیہ میں کوئی عریضہ نہیں لکھا۔ اس خطا کی نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں۔ اور پھر یہاں کے حالات عرض کروں گا۔ آپ کے رنج و فکر کے خیال سے غلام نے سرکار کی تکلیف کا حال اب تک نہ لکھا تھا۔ مگر کل سے ایک اور سخت مصیبت آپڑی ہے۔ اور سرکار اس وقت بالکل بے بس و ناچار ہیں۔ اس لئے آپ کو اطلاع دینی نہایت ضروری خیال کرتا ہوں۔ گذشتہ دو ماہ کے حالات مختصر

عرض خدمت کیئے جاتے ہیں۔ یہ تو جناب کو معلوم ہی ہے۔ کہ وہ عورت پنڈی کی تھی۔ اور اُس کے پہلے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اُس کی والدہ نے پشاور کے کسی میوہ فروش کے گھر اس کی دوبارہ نسبت کر دی تھی۔ لیکن اِس کو وہ ناپسند ہوئی۔ اور وہ یہاں سے پوشیدہ طور پر لودھیانے پہنچی۔ اور ہمارے سر پڑی۔ اتفاق کی بات ہم بھی تبدیل ہو کر یہیں آگئے کچھ عرصہ تک معلوم نہ ہوا۔ لیکن حضور کے تشریف لے جانے کے بعد زرّیں کے گھر والوں کو یہ خبر ہوگئی۔ کہ وہ ہمارے گھر میں ہے۔ مگر دم نہ مار سکے۔ کہ کچھ پیش نہ چلتی تھی۔ آخر کار یہ خبر اُس کے سُسرال والوں کو پشاور بھی پہنچ گئی۔ اور وہ زرّیں کو ہمارے گھر سے نکال لینے کے ارادے سے یہاں پہنچے۔ اور موقع کے منتظر رہے۔ کہ سرکار دورے پر جائیں تو وہ اپنا کام کریں۔ دو ماہ کا ذکر ہے۔ کہ سرکار گجر خاں تشریف لے گئے تھے۔ اور سب کو یہ معلوم تھا۔ کہ گھر پر نہیں ہیں ؛؛

ہماری بدقسمتی یا شامت اعمال کہوں۔ کہ وہ تیسرے روز شب میں گجر خاں سے تشریف لائے۔ اُن لوگوں کو یہ خبر نہ ہوئی۔ اور اسی رات کے دو بجے ہمارے یہاں چور پڑے۔ وقت پر سب کی آنکھ کُھل گئی۔ اور وہ کئی آدمی آئے تھے۔ کچھ باغیچے کی دیوار پر سے زنان خانے میں گھس گئے۔ اور باقی باہر رہے۔ زرّیں تو بڑی الماری کے پیچھے چھپ گئی۔ اور سرکار نے بندوق اُٹھائی۔ چور بھی ہتھیار لائے تھے ؛

سرکار کی بندوق سے ان کے دو آدمی گرے۔ لیکن انہوں نے بھی فیر کیئے۔ ایک گولی دشمنوں (سرکار) کی ران پر لگی۔ اور وہ پلنگ پر گر گئے۔ اس وقت تو ہم سب بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ کُل تین آدمی اندر تھے۔

Taj Tahir Foundation

اور میں مع چھ چپراسیوں کے تھا۔ (آپ فکر نہ کریں۔ سرکار اب اچھے ہیں۔)
ہم نے بھی بندوق اور پستول اُٹھائے۔ پھر توان کا بھاگتے ہوئے پتہ نہ لگا۔
چپراسیوں نے توان کا پیچھا کیا۔ اور میں نے سرکار کو سنبھالا۔ اُسی وقت
سول سرجن صاحب کو بُلایا۔ جنہوں نے اطمینان دلایا۔ کہ انشاء اللہ بہت
جلد زخم درست ہو کر ڈپٹی صاحب تندرست ہو جائیں گے۔ سو خدا کا لاکھ
لاکھ شکر ہے + ایسا ہی ہوا۔ اور سرکار نے بہت جلد صحت حاصل کی کوئی
ایک ہفتہ برابر بُخار رہا۔ اور سرجن صاحب دو وقت آکر دیکھتے رہے۔
پھر بخار میں کمی ہو گئی۔ اور طبیعت بحال رہنے لگی۔ دو ماہ کی رُخصت
لے لی تھی۔ اِس عرصے میں بہت ہی صرف ہوا۔ زرین اور گل جان کو
موقع مل گیا۔ اندھا دُھند لُوٹنے کا۔ سرکار کے سامنے تو زرین ہر وقت
روتی رہتی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر گھر کی صفائی کر رہی تھی + دو ماہ گزر گئے
لیکن زخم میں کچھ خرابی باقی رہی جس کے علاج کے لئے یہاں کے ڈاکٹروں
نے لاہور جا کر علاج کرانے کی رائے دی + اب گھر میں سوائے زرین کے
زیور کے ظاہراً ایک پیسہ نہ تھا +

سرکار عجب پریشان ہوئے۔ کہ کیا کیا جائے + کیونکہ سردست علاج
کے لئے تین ماہ کی رخصت اور لینی تھی۔ اور علاج کے لئے کافی روپیہ درکار
تھا۔ میں نے یہ رائے دی۔ کہ ضرورت شدید کے وقت بھی زیور کام
نہ آیا۔ تو اور کب آئے گا۔ آپ بیوی کا زیور رہن کر کے کام چلائیں + خدا
تندرست کر دے گا۔ تو اس سے زیادہ بن جائے گا + نہیں معلوم اس کو
بھی یہ کس طرح کھٹک گئی + تھی تو ہوشیار اس نے بھی سوچا ہو گا۔ کہ اس وقت
میں اپنا زیور علاج کے لئے میاں کو دینا لازمی ہے۔ اور یہ اس کو کسی طرح

Taj Talim Foundation

گوارا نہ تھا۔ کہ میاں کی صحت کو زیور سے زیادہ عزیز سمجھ کر یہ نقصان اُٹھائے۔ اُدھر یہ بھی سُن گن پالی تھی۔ کہ پشاور والے اِس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور اب اُسے گھر میں آرام سے نہ رہنے دیں گے ۔ وہ تو یہ کہہ کر بھی زیور بچا لیتی۔ کہ "چور لے گئے"۔ لیکن میں بھی اُس کے جعل فریب سے بخوبی واقف تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے جاتے ہی میں نے تمام کمرے کی تلاشی لی۔ کہ کچھ نقصان تو نہیں ہوا۔ تو اس کے زیور کا صندوقچہ مقفل الماری میں بدستور رکھا پایا۔ پس اِس سبب سے وہ چوروں پر بھی نہ لگا سکی ۔

کل صبح کا ذکر ہے۔ کہ جب سرکار بیدار ہوئے۔ تو اپنا کمرہ خالی پایا۔ نہ بیوی تھیں نہ کوئی مُلازمہ۔ سرکار زور زور سے گھنٹی دیتے رہے۔ اور کوئی نہ پہنچا۔ باہر میں متواتر گھنٹی کی آواز سُن رہا تھا۔ اور حیران تھا۔ کہ کیا ہوا۔ سب سوتی ہوئی مرگئیں۔ جب سرکار کی گھنٹی بند نہ ہوئی۔ تو میں نے روشن گل کے لڑکے کو جگا کر بھیجا۔ کہ دیکھ اندر کیا معاملہ ہے؟ جب وہ گیا۔ تو سرکار نے کہا "بیوی اور دونوں نوکروں کو دیکھو کہ کہاں ہیں۔ اور کیا کر رہی ہیں۔ سوتی ہوں تو جگا دو"۔ لڑکے نے تینوں کمرے اور باورچی خانہ دیکھا۔ اُن تینوں کا کہیں پتہ نہ ملا۔ تو سرکار نے کہا۔ کہ "ایک دو آوازیں دے کر غسل خانے وغیرہ بھی دیکھ لو" غرض کہ کونہ کونہ دیکھ لیا گیا۔ اور بیوی صاحبہ کا کہیں نشان نہ ملا۔ تو سرکار نے مجھے گھر میں بُلایا ۔ اِس وقت کی اُن کی حالت میں بیان نہیں کر سکتا۔ مارے غصے کے چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اور تمام جسم کانپ رہا تھا ۔ مجھ سے فرمایا "منشی جی یہ کیا ہوا۔ یہ تینوں کہاں غرق ہوگئیں"۔ پس میں سمجھ گیا۔ کہ روپوش ہوگئیں ۔

تب میں نے سرکار کو زرّیں کی پہلی نسبت اور اُس کے سُسرال والوں

کی قزاقی کا حال سُنایا۔ جو مجھے صرف ایک دن پیشتر یعنی پرسوں ہی اپنے ایک نئے چپراسی کے ذریعے معلوم ہوا تھا۔ جو چند روز ہوئے پشاور سے یہاں آکر مُلازم ہوا ہے۔ اور چونکہ ان لوگوں سے کچھ اَن بن ہے ...... اس لئے اس نے اُن کے صلاح مشورے مجھ پر ظاہر کئے۔ اور کہا کہ "سرکار کو مطلع کر دو۔ تاکہ وہ گھر کا انتظام رکھیں۔ ایک بار وہ آئے اور زخمی ہو کر گئے۔ زرّیں پھر بھی ہاتھ نہ لگی۔ ضروری ہے۔ کہ آئندہ موقع پاکر پھر آئیں۔ اور اس سے زیادہ تکلیف دیں" یہ راز معلوم کر کے تو میں بہت خوش ہوا۔ اب ڈاکو گرفتار کر لئے جائیں گے۔ کیونکہ دو ماہ سے پولیس تفتیش میں تھی۔ اور ان کا پتہ نہ لگتا تھا۔ نہیں معلوم انہوں نے اپنے دونوں زخمیوں کو کہاں چھپا دیا تھا۔ چپراسی سے جس وقت یہ حالات سُنے۔ میں نے فوراً سرکار کو دیکھنے کے کام سے اندر جانا چاہا۔ لیکن زرّیں نے اُس روز شام تک مجھے اندر نہ جانے دیا۔ کہ ہم سے بار بار پردہ نہیں ہو سکتا۔

لکھ کر بھیجنے سے زبانی سُنانا میں نے بہتر سمجھا تھا۔ کہ شب میں انہوں نے خود ہی گھر خالی کر دیا۔ (خس کم جہاں پاک) سرکار یہ حالات سُن کر ششدر رہ گئے۔ کئی دن سے بخار نہ آیا تھا۔ لیکن اسی وقت سردی لگ کر تپ ہو گئی۔ مگر میں مجبور تھا۔ کہ ان کو سُنانا تھا۔ اور صرف اسی وجہ سے آج تک آپ کو ان کی تکلیف کا حال نہ لکھا تھا۔ کہ سخت تکلیف و پریشانی اُٹھائیں گی"۔

سرکار نے بھی سخت تاکید کر رکھی تھی۔ کہ "آگرہ ہرگز خبر نہ کر دینا۔ تندرست ہو کر ہم خود خط لکھیں گے" اب کل دوپہر جب بخار ذرا کم ہوا۔ تو میں نے اُن سے کہا "آج تو میں ضرور آگرہ آپ کی علالت مزاج کی اطلاع دوں گا۔ کیونکہ بیگم صاحبہ اگرچہ لاکھ آپ سے ناراض ہیں۔ لیکن آپ کی تکلیف کا حال معلوم کر کے

Taj Tahir Foundation

مع کسی بھائی کے تشریف لائیں گی۔ اور اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ آپ اس وقت بالکل تنہا ہیں۔ خبر ہونے پر وہ سب آپ کی مدد کریں گے۔ جناب عالیہ سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ میرے یہ الفاظ سُن کر سرکار کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور اُنہوں نے کانپتی آواز سے فرمایا۔ " اوہ۔ منشی جی! تم کیا کہتے ہو۔ اب میں اس قابل نہیں رہا۔ کہ اُن لوگوں کو مُنہ دکھا سکوں۔ میری طرف سے بیگم پر تھوڑا ظُلم نہیں ہوا ہے۔ آخر وہ اُن کے بھائی ہیں۔ بہن سے زیادہ تو میں عزیز نہیں ہوں۔ وہ میری شکل نہ دیکھیں گے۔ تم خواہ مخواہ بیچاری بیگم کو میرا حال لکھ کر رنج نہ دو۔ خدا اب میرا خاتمہ ہی کر دے تو بہتر ہے۔ اتنی آرزو ہے۔ کہ ایک بار بیگم کے قدموں پر گر کر اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیتا۔ مگر چونکہ میری خطائیں نہ بخشی جانے والی۔ میرے جُرم ناقابل معافی ہیں۔ اس لئے میں اس قابل نہیں۔ کہ اپنے قابل فخر بھائیوں اور بیگم کے روبرو ہو سکوں۔ کاش میں موت سے پہلے فرشتہ خصلت بیگم سے اپنے گُناہوں کا اقرار کر لیتا۔ افسوس کہ اب تک میں سخت غلطی میں پڑا رہا۔ اور سمجھتا رہا۔ کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ چونکہ میری دُوسری شادی اُن لوگوں کو ناگوار گزری۔ اس لئے اُن سب نے مجھے چھوڑ دیا۔ لیکن آج اُس بد ذات عورت کے چلے جانے سے یہ معلوم ہوا۔ کہ در اصل میں ہی گنہگار ہوں۔ کسی کا بھی کچھ قصور نہیں۔ مگر اب کسی قابل نہیں ہوں۔ اگر بھائیوں سے معافی مانگوں۔ تو وہ سمجھیں گے۔ کہ ہر طرح مجبور و ناچار ہو کر مدد کے لئے ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ پس منشی! اب یہی مناسب ہے۔ کہ میں رُوسیاہ گُناہ گار زمین میں منہ چھپا لوں۔ تم آگرے اطلاع دے کر بیچاری بیگم کو رنجیدہ نہ کرو " ٭

بیگم صاحبہ یہ سطور سرکار کی زبانی ہیں۔ انہوں نے تو بہت کچھ کہا تھا۔ مگر میں

اِس قدر کہاں لکھ سکتا ہوں - اور یاد بھی نہیں رہا- غرض کہ مجھے بہت تاکید کی۔
کہ میں آپ کو اطلاع نہ دوں- لیکن مجھ سے ایسی سنگ دلی نہیں ہو سکتی- کہ
یوں گھر کی بربادی ہو- اور آپ بے خبر رہیں- اور میں نے سرکار سے یہ بھی
عرض کیا تھا- کہ آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ وہ ناراض ہی رہیں گی- گو آپ کی
طرف سے اُن کے حق میں بہت سختی ہوئی ہے- لیکن یہ ناممکن ہے- کہ ایسے
وقت میں بیگم کے بھائی آپ کی مدد نہ کریں"- مگر چونکہ اُن کو بے انتہا شرمندگی ہے۔
وہ اِس وقت آپ کو اطلاع دینا نہیں چاہتے- جس سے یہ ثابت ہو- کہ
مدد مانگنے کی غرض سے خبر دی ہے+ ان کی صحت کے علاوہ اور پریشانی یہ
ہے- کہ اس وقت ایک پیسہ گھر میں نہیں- جو کچھ بھی تھا- وہ اپنے ساتھ
لے گئی- ان دو ماہ میں خرچ بھی زیادہ ہوا- پانسو روپے تو زریں نے گھر کے
خرچ اور علاج کے لئے سرکار کی اجازت سے میرے ذریعے قرض منگایا تھا
اور آج صبح ایک دُکان دار سے یہ معلوم ہوا- کہ سَو سَو ڈیڑھ ڈیڑھ سَو کر کے
گل جان شیطانہ گزشتہ ہفتے پانسو روپے میرے ہی نام پر بیوی کے حکم
سے اس سے قرض لے جاتی رہی تھی+ میں نے اس سے کہا- کہ تم نے
بغیر میرے اتنی بڑی رقم اُس عورت کو کیوں دے دی- تو اُس نے جواب دیا۔
کہ وہ رُقعہ لاتی تھی- جس کا مضمون تمہاری طرف سے ہوتا تھا- اور دستخط
بیگم صاحبہ کے- چنانچہ میں نے چھ رقعے خود پڑھے- جس پر اس بدذات
کے ٹیڑھے سیدھے دستخط ثبت تھے- کیونکہ تھوڑے دنوں سے اُس نے
بھی پڑھنا شروع کیا تھا- میاں کو دورے میں خط لکھنے کی غرض سے میں وہ پرچے
دیکھ کر حیران ہو گیا- لیکن ابھی سرکار سے یہ ذکر نہیں کیا- کہ اُن کی
پریشانی اور بڑھے گی+ اس وقت شام ہے! اور میں یہ عریضہ ارسال خدمت

کر رہا ہوں۔ سرکار کے پاس ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہیں۔ میں نے یہ موقع غنیمت جانا خط لکھنے کے لئے۔ کیونکہ ویسے سرکار مجھے ایک دم علیحدہ نہیں ہونے دیتے۔ ہماری بیگم صاحبہ! اب آپ ہی تباہ شدہ گھر کو سنبھال لیں گی۔ اور ہم پر رحم کریں گی۔ یہاں یہ حالت ہے۔ کہ ڈاکٹر رائے دیتے ہیں۔ فوراً لاہور جا کر علاج کرانے کی۔ اور ہمارے پاس کل کے کھانے کو بھی نہیں۔ کیونکہ تمام روپیہ اسی کے پاس رہتا تھا۔ اب کچھ بھی باقی نہیں، خط طویل ہو گیا۔ کیونکہ میں نے مفصّل کرنا ضروری سمجھا۔ سرکار کی طرف سے آپ زیادہ فکر نہ کریں بفضل خدا ویسے وہ اچھے ہیں۔ صرف زخم میں کچھ تکلیف ہے۔ جس کے لئے لاہور جانا ٹھہرا ہے۔ مگر روپیہ نہ ہونے سے سر دست وہ بھی ناممکن ہے۔ تنخواہ ملنے پر کچھ بندوبست کیا جائے گا۔ غلام نے تمام حالات عرض کر دئے۔ اب جناب کی رائے میں یہاں کی بہتری کے لئے جو آپ کا حکم ہو۔ کیا جائے۔ سرکار آپ کے ویسے ہی فرماں بردار ہیں۔ اب یہاں کی دگرگوں حالت کو آپ ہی سنبھالیں گی۔ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے۔ ہمارے حال پر توجہ کیجئے۔ زیادہ آداب

خاکسار آپ کا تابعدار قدیمی

عظیم الدّین

خط پڑھتے پڑھتے تمکنت آرا کا رنگ زرد ہو گیا۔ بمشکل تمام کر کے بہن سے کہا:۔

تمکنت آرا۔ افسوس باجی جان! آپ کسی سے کچھ ذکر نہیں کرتی ہیں۔ آخر ہم بھی انسان ہیں۔ آہ میرے بھائی جان اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اور ہمیں خبر تک نہیں!"

سلطنت آرا۔ تم سے ذکر کر کے سواء تمہیں بھی رنجیدہ کرنے کے اور کیا

Taj Tahir Foundation

بناتی۔ محمود بچہ ہے۔ وہ غریب کیا کر سکتا ہے۔ شام کو بھائی حامد آجائیں گے۔ تو کچھ صلاح ہوگی۔ رات ہی رشید آجائیں گے"۔

تمکنت آرا:۔ "اور کچھ نہیں تو اتنا تو ہو سکتا تھا۔ کہ محمود راولپنڈی تار دے دیتے"۔

سلطنت آرا:۔ "پھر اس سے فائدہ؟ ہاں منشی بیچارے کی شامت آجاتی۔ کہ تو نے کیوں اطلاع کی۔ صرف چند گھنٹے ہی درمیان رہیں نا۔ جس طرح ہوگا۔ گزر جائیں گے۔ شام کو بھائی حامد انتظام کر ہی لیں گے"۔

تمکنت آرا:۔ "اُف باجی آپ کا حوصلہ"۔

سلطنت آرا:۔ "آخر پھر کیا کروں؟ مر جاؤں؟"

تمکنت آرا سے نہ رہا گیا۔ اور اُس نے تینوں بھاوجوں اور محمود سے بھی یہ کہہ دیا۔ کہ دولھا بھائی راولپنڈی میں علیل ہیں۔ اور وہ عورت نکل گئی ہے۔ خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ تو مسٹر حامد آئے۔ اور یہ سب سلطنت آرا بیگم کے کمرے میں جمع ہوئے۔ تو تمکنت آرا نے بڑے بھائی کو منشی عظیم الدین کا خط دیا۔

چونکہ خط پریشان کن تھا۔ اور تھا طویل۔ وہ پڑھتے پڑھتے دق ہو گئے۔ بمشکل ختم کر کے بولے:۔

مسٹر حامد:۔ "افسوس آرام کی زندگی بسر کرتے ہوئے بیچارے کس مصیبت میں پھنس گئے۔ خدا رحم کرے۔ مگر منشی بے مغزے کو دیکھو۔ اس نے کتنا دفتر لکھا ہے۔ خیر اب ہمیں اُن کی مدد فوراً کرنی چاہیئے"۔

مسٹر محمود:۔ "خدا اُن پر فضل کرے۔ لیکن ایسے افعال کا اکثر یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ کاش اب بھی سمجھ جائیں۔ اور پشیمانی سے آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر سکیں۔

خدا اُن کو شرمندہ نہ کرے۔ لیکن یہ ایک نظیر ہے۔ ایسے ہی افراد قوم کے سامنے یہ واقعہ عبرت حاصل کرنے کے لئے بہت کافی ہے"۔

مسٹر حامد:۔ "خیر انہوں نے جو کچھ کیا سو کیا۔ لیکن اِس وقت بیچارے قابل ہمدردی ہیں۔ اور سوائے ہمارے اُن کا اور کوئی ہمدرد نہیں۔ ہم سے جو کچھ ہو سکے گا کریں گے۔ کیونکہ یہ ہمارا فرض ہے۔ علاج کے لئے اُن کا لاہور جانا تجویز ہوا ہے۔ اِس کے لئے لاہور اور آگرہ ایک سے ہیں۔ اور کُل عزیزوں کی موجودگی کے سبب آگرہ لاہور سے بہتر ہے۔ پس ان کو فوراً یہاں بُلا لیا جائے"۔

تمکنت:۔ "بھائی جان صرف خط جانے سے وہ ہرگز نہ آئیں گے"۔

مسٹر حامد:۔ "میاں محمود اُن کے لینے کو چلے جائیں گے"۔

مسٹر محمود:۔ "تعمیل حکم سے مجھے انکار نہیں۔ اور میں نے خود بھی جب سے یہ خبر سنی ہے بے چین ہوں۔ لیکن ہم میں سے کسی کا جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ شاید وہ خیال کریں گے۔ کہ میری بیوی کے نکل جانے سے خوش ہو گئے۔ اور یہ موقع جان کر خود ہی بُلانے چلے آئے"۔

مسٹر محمد علی:۔ "مگر ساتھ ہی اِس خیال سے بھی تو خوش ہوں گے۔ کہ باوجود میری اِس قدر بے پروائی و قابل نفریں حرکات پر ناراض ہونے کے میری مصیبت میں شریک ہو گئے"۔

مسٹر حامد:۔ "جی ہاں حتیّ الامکان ہمیں ضرور اُن کی مدد کرنی چاہئیے۔ کیونکہ اِس وقت دُنیا میں نہ والد نہ کوئی بھائی نہ اور ہی کوئی ایسا قریبی رشتہ دار ہے۔ جو اُن کا مددگار ہو۔ اور ہم ہی تینوں موجود ہیں۔ اور بفضل خدا اس حالت میں ہیں۔ کہ ہر طرح سے اِمداد کر سکتے ہیں"۔

مسٹر محمود:۔ "تو پھر میں جانے کو تیار ہوں۔ آج ہی رات کو روانہ کر دیجئے"۔

Taj Tahir Foundation

سلطنت آرا "تم تینوں میں سے کسی کے جانے کی ضرورت نہیں۔ رات ہی میں میاں رشید آجائیں گے"۔

مسٹر حامد "وہ تو آج کل الہ آباد ہیں"۔

سلطنت "ہاں مگر آنے والے ہیں امتحان سے فارغ ہو گئے ہیں۔ صبح ہی خط آیا ہے۔ کہ شب میں آگرے پہنچوں گا"۔

مسٹر محمد علی "بس یہی ٹھیک ہے۔ الہ آباد سے آتے ہی انہیں راولپنڈی روانہ کر دیا جائے"۔

مسٹر حامد "ہاں پھر وہ بیچارا تو ہے ہی۔ ایسے کام اُسی کے سپرد ہیں۔ خدا اُسے ہمیشہ خوش رکھے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ امتحان ایم۔ اے بھی نہایت کامیابی سے ختم کیا۔ اب نتیجے کا انتظار ہے۔ اس کی محنت اور خدا کی مہربانی سے اچھی ہی اُمید ہے۔ افسوس کہ ڈپٹی صاحب پر یہ سال بُرا چڑھا۔ خیر کوئی بات نہیں خدا انجام بخیر کرے"۔

مسٹر محمود "اچھا اللہ انہیں بھی سمجھ دے۔ اور پہلے کی طرح اچھے انسان بن جائیں۔ تو ہمیں بھی خوشی ہو"۔

تمکنت آرا "تمہیں انسانیت کی پڑی ہے۔ خدا میرے بھائی کو جان کی سلامتی میں صحت عطا فرمائے"۔

مسٹر محمد علی "وہ انسان بنیں یا نہ بنیں۔ خدا انہیں تندرست کر دے"۔

چنانچہ اسی شب رشید الملک بھی آگئے۔ اور صبح ہی راولپنڈی کو بھیج دئے گئے۔ مسٹر حامد علی نے دو ہزار روپے اُن کے ساتھ کر دئے۔ جس سے اُن کا قرضہ وغیرہ ادا کر دیا جائے۔ تیسرے ہی دن میاں رشید الملک مع ڈپٹی صاحب و منشی عظیم الدین اور دو ملازموں کے آگرے پہنچے۔ اور اُسی دن سے یہاں

کے اعلےٰ ڈاکٹروں سے علاج شروع کرادیا گیا +

سچی ہمدردی و شرافت اور پُوری انسانیت اِسے کہتے ہیں ۔ کہ باوجود اس قدر غم و غصّے کے پانچوں بہن بھائی سنگ دِل ڈپٹی صاحب کے شریک مصیبت ہوگئے +

یہ شریف بیبیوں ہی کا حوصلہ ہے ۔ کہ اِس قدر ظُلم و ستم سہ کر بھی ویسی ہی وفادار و جان نثار رہتی ہیں ۔ یہ شوہر پرستی نہیں ۔ تو اور کیا ہے ؟ ایک شریف و تعلیم یافتہ بی بی سے بڑھ کر دُنیا میں مرد کا کوئی ہمدرد نہیں ۔ مگر بی بی بھی وہ جو بیوی کہلانے کی اصلی مستحق ہو ۔ ورنہ ایسی بیویاں جیسی کہ ڈپٹی صاحب کی دُوسری عورت تھی ۔ باعث بربادی ہیں ۔ مگر افسوس کہ ہندوستان میں تو اِس قسم کی ناجائز شادیوں کی آندھی چل رہی ہے جس میں کمی نہیں ۔ بلکہ طوفان پر ہے ۔ مگر کوئی اِس طرف توجہ نہیں کرتا + لیڈران اور ریفارمران قوم تو بہتیرے ہیں ۔ لیکن اِس کے انسداد کی کسی کو فکر نہیں ۔ آخر وہ بے بس و بیکس فرقہ بھی اِسی قوم کا ایک حصّہ ہے ۔ جس پر نہایت بے دردی سے اندھا دُھند ظُلم ہو رہا ہے ۔ مگر آہ کسی کو پروا نہیں +

اے ہم بے بسوں کی قسمتوں کے مالکو ! لِلّٰہ اِس طرف بھی توجہ کرو ۔ سوچو تو ان مظلوموں میں بھی جان ہے ۔ گو دِل و دماغ تو ظُلم سہتے سہتے عرصہ سے مر مٹ چکا ہے ۔ مگر جان تو ابھی باقی ہے ۔ جس طرح حیوانات کو جانور جان کر آزار نہیں دیتے ۔ اِسی طرح اِن مظلوم جان داروں پر بھی رحم کرو ۔ ترس کھاؤ ۔ خدا کے واسطے ترس کرو ۔ اور اِس بادِ ستم کی روک تھام کی تدبیر کرو ۔ جو بادِ صرصر کی طرح مرجھائے سُکھائے نہیں ۔ ہمیں تباہ و برباد کئے ڈالتی ہے ۔ اوّل تو ہمیں زور سے رونا ہی نہیں آتا ۔ اور روئیں بھی تو نالہ و

فریاد کی اجازت ہی نہیں ۔ ؎

ہم جو فریاد کریں آپ خفا ہوتے ہیں.
رحم کی جا تمہیں آ جاتا ہے غصہ اُلٹا.

ہم پر تو یہ مثل صادق ہے۔ کہ "ظالم مارے اور رونے نہ دے" ہمیں یہ تاکید ہے۔ کہ "ہم ظلم کریں۔ تم سہو۔ ہم ماریں تم نہ روؤ۔ اور نہ حرف شکایت زبان پر لاؤ۔ بس اندر ہی اندر جل جل کر گھٹ گھٹ کر مر جاؤ۔ مگر اُف نہ کرو" نالہ و فریاد کُجا۔ ہم تابعدار مظلوم یہ حکم بھی مانتے ہیں۔ اور نالہ و فریاد یعنی اپنی حقوق طلبی کا نام بھی نہیں لیتے۔ بلکہ اس کو خلاف شرافت سمجھے ہوئے ہیں۔ جب بہت ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔ تو نہایت آہستہ نیچی سی آہ بھر کر صبر کر لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں بھلا ہم خود کیا کر سکتے ہیں؟ اس لئے نہایت ہی منت و عاجزی کے ساتھ آپ ہی سے صدہا نہیں ہزارہا درد مند دلوں کی التجا ہے۔ کہ اے ہمارے سچے ہمدرد باپو۔ حقیقی خیر خواہ بھائیو! خدا کے واسطے ہم پر رحم کر کے سب سے پہلے ہماری خبر لو۔ تب تو ہم بھی ریفارمر کہیں گے۔ ورنہ خواہ کسی قدر اصلاحیں کیوں نہ کرو۔ ہمیں کیا؟ ہماری زندگیاں تو یُوں جل جل کر گھٹ گھٹ کر مر مر کر برباد ہو رہی ہیں۔ ؎

مبتلا جب ہم آفتوں میں ہیں۔ کس طرح تم کو راہبر جانیں.
کثرت ازدواج جب ہو دُور۔ تب تمہیں ہم رفارمر جانیں.

بنت نذر الباقر از کوہاٹ

۱۱۔ ستمبر ۱۹۱۱ء

Taj Tahir Foundation

تصانیف محترمہ نذر سجّاد حیدر صاحبہ

حرماں نصیب - یہ ایک ناکام محبت لڑکی کا افسانۂ غم ہے۔ جو بھائی کے غم میں دیوانی ہو گئی تھی۔ چونکہ مُصنّفہ نے یہ ناول اُن دنوں میں تصنیف کیا تھا۔ جب اُن کا اپنا بھائی اُنہیں داغِ مفارقت دے گیا تھا۔ اِس لیئے اِس کا فِقرہ فقرہ اور لفظ لفظ درد میں ڈوبا ہُوا۔ غیر ممکن ہے کہ ذی حِس اس کو پڑھے اور اُس کے آنسو نہ نکل آئیں۔ اِس تصنیف نے ان مصنّفہ کی تحریروں کے شائقین میں سینکڑوں کا اضافہ کر دیا ہے۔ قیمت ۴ر ۱۱ پائی†

اختر النّساء بیگم - یعنی ایک تعلیمیافتہ لڑکی کی دردناک سرگذشت

دُکھ بھری کہانی - دُوسری شادی کی بُرائیوں کی دردناک و مؤثر کہانی ۱ر ۵ پائی†

سلیم کی کہانی - ایک غریب مگر باہمّت لڑکے کا قصّہ - ۳ر†

پھُولوں کا ہار - بچّوں کے لئے ایسی مزیدار کہانیاں کہ پڑھکر دِل خوش ہو جائے۔ تصویر دار۔ قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ

دارُالاشاعت پنجاب لاہور

سر ورق امرت الیکٹرک پریس لاہور میں چھپا